

ہمالیہ کے بنجارے

مصنف
شیام سنگھ ششی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ہمالیہ کے بنجارے

مصنّف

شیام سنگھ ششی

مترجّم

کمال احمد صدّیقی



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک -1، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

Himaliya Ke Banjare

By : S.S.Shishi

Translated by : Kamal Ahmad Siddiqi

سنہ اشاعت :

پہلا ایڈیشن : 1983

دوسرا ایڈیشن : 2006، تعداد : 1100

قیمت : -/16 روپئے

سلسلۂ مطبوعات : 1263

ISBN:81-7587-172-5

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی-110066

فون نمبر : 26179657, 26103381, 26103938، فیکس: 26108159

ای۔میل : urducoun@ndf.vsnl.net.in، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع : جے۔کے۔آفسیٹ پرنٹرز، جامع مسجد دہلی۔110006

پیش لفظ

پیارے بچو! علم حاصل کرنا وہ عمل ہے جس سے اچھے بُرے کی تمیز آجاتی ہے۔ اس سے کردار بنتا ہے، شعور بیدار ہوتا ہے، ذہن کو وسعت ملتی ہے اور سوچ میں نکھار آجاتا ہے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو زندگی میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی ضامن ہیں۔

ادب کسی بھی زبان کا ہو، اس کا مطالعہ زندگی کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ بچو! ہماری کتابوں کا مقصد تمھارے دل و دماغ کو روشن کرنا ہے اور ان چھوٹی چھوٹی کتابوں سے تم تک نئے علوم کی روشنی پہنچانا ہے، نئی نئی سائنسی ایجادات، دنیا کی بزرگ شخصیات کا تعارف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اچھی اچھی کہانیاں تم تک پہنچانا ہے جو دلچسپ بھی ہوں اور جن سے تم زندگی کی بصیرت بھی حاصل کر سکو۔

علم کی یہ روشنی تمھارے دلوں تک صرف تمھاری اپنی زبان میں یعنی تمھاری مادری زبان میں سب سے موثر ڈھنگ سے پہنچ سکتی ہے اس لیے یاد رکھو کہ اگر اپنی مادری زبان اردو کو زندہ رکھنا ہے تو زیادہ سے زیادہ اردو کتابیں خود بھی پڑھو اور اپنے دوستوں کو بھی پڑھواؤ۔ اس طرح اردو زبان کو سنوارنے اور نکھارنے میں تم ہمارا ہاتھ بٹا سکو گے۔

قومی اردو کونسل نے یہ بیڑا اٹھایا ہے کہ اپنے پیارے بچوں کے علم میں اضافہ کرنے کے لیے نئی نئی اور دیدہ زیب کتابیں شائع کرتی رہے جن کو پڑھ کر ہمارے پیارے بچوں کا مستقبل تابناک بنے اور وہ اپنے بزرگوں کی ذہنی کاوشوں سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

رشمی چودھری

ڈائرکٹر انچارج

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند، نئی دہلی

دیباچہ

ہماچل پردیش جیسے قدرتی مناظر دیگر ریاستوں میں بہت کمیاب ہیں۔ رنگ برنگے قبیلوں کی مختلف النوع تہذیبوں سے مالامال اس سرزمین کو دیوتاؤں کا مسکن کہا گیا ہے۔ یہ ہمارے ملک کا ایک نہایت رنگارنگ حصہ ہے۔ جو قبیلے اس پردیش کے مختلف گوشوں میں آباد ہیں ان سب کا اپنا الگ مذہب، جُداگانہ بولیاں اور سماجی تنظیمیں ہیں۔ گدّی قبیلہ کے لوگ یک زوجی ہوتے ہیں لیکن ان کے بالکل متصل آباد دیگر قبیلوں مثلاً کنوروں، لاہلوں اور پنگوالوں میں چند زوجگی رائج ہے۔ گُجر قبیلہ کے لوگ ہماچل پردیش (بجز کنور) کے سارے اضلاع میں آباد ہیں۔ ان میں ہندو مسلمان دونوں ہیں۔ اول الذکر زراعت پیشہ ہیں اور موخرالذکر چوپانی زندگی بسر کرتے ہیں۔ دونوں کا شمار قبائل مندرجہ فہرست (شیڈولڈ ٹرائبس) میں ہوتا ہے۔ یہ بات صرف اسی پردیش میں ہے۔ ان میں اور چرواہوں جیسی زندگی بسر کرنے والوں گدّیوں میں فرق ہے۔ یہ گدّی بھیڑوں اور بکریوں کے گلّے رکھتے ہیں اور بھینس پالنا اور دودھ سے حاصل شدہ چیزوں کو فروخت کرکے گذر بسر کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ بھوٹ یا بودھ، بھاگا کی وادیوں میں آباد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی جداگانہ بولی ہے۔ ان کے دو مذاہب ہیں۔ لاہول کے بالائی حصہ میں آباد قبیلہ کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو ہیں۔ یہ لوگ کارگیوڈپا (سُرخ ٹوپی والے) فرقہ کی ایک شاخ ہیں۔ لیکن نشیبی لاہول میں رہنے والے ہندو ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بات

بھی ہے کہ صدر کے حکم نامہ (مجریہ ۱۹۶۵ء) کی رو سے بھوٹوں اور بودھوں کو اہالیانِ ملکِ تبت کہا گیا ہے۔ لاہول میں سوانگلا قوم کے لوگ بھی آباد ہیں لیکن یہ لوگ برہمن نژاد سمجھے جاتے ہیں۔ بودھوں کی لڑکیوں سے شادیاں کرتے ہیں اور ازدواجی تعلقات سے پیداشدہ اولادوں کی ایک علٰحدہ ذات قائم ہوگئی ہے جو گارو کہلاتی ہے۔ گجر اور بھوٹ جیسے چند ناموں سے قطع نظر اکثر قبیلوں کے نام ان کی جائے سکونت و وطنیت سے منسوب ہیں مثلاً گدی، کنور، پنگوال، لاہول وغیرہم۔ گدیرن کے سارے باشندے خواہ وہ برہمن، راجپوت یا نچلی ذاتوں کے لوگ ہوں، گدی کہلاتے ہیں۔ گدیرن، ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کے غیر متعین حدود اربعہ دولا دھار کے دونوں اطراف پھیلے ہوئے ہیں۔ چمبا کے بیشتر حصوں میں آباد گدی قوم کے لوگ دولا دھار سے اتر کر کانگڑا کے شمالی حصوں اور بھدروا پہاڑ کے جنوبی علاقے کی طرف بڑھے جو راوی کے پار واقع ہے۔ ان کا ایک پیشہ ورانہ معاشرہ ہے۔ خاندان کے نصف افراد اپنے جانوروں کے ساتھ باہر چلے جاتے ہیں اور بقیہ لوگ کھیت کھلیان کی نگہداشت کے لیے پیچھے رہ جاتے ہیں، سال کا نصف حصہ کانگڑا (جاڑے میں) اور باقی حصہ چمبا میں زندگی گذارتے ہیں۔ بالعموم گدیوں کے کھیت کانگڑہ اور چمبا دونوں جگہ ہیں مگر وہ کاشتکاری کی بہ نسبت زیادہ بہتر چوپان یا گلہ بان ہیں۔ قبیلہ کنور میں چند زوجگی کا رواج ہے۔ یہ وادی کنور میں دریائے ستلج کے بالائی علاقے میں آباد ہیں اور جادوں، چنگوں (موچیوں)، دمنگوں (آہنگروں اور بڑھئیوں) جیسے مختلف فرقوں میں منقسم ہیں۔ ان میں اکثر و بیشتر لوگ بدھ مذہب کے پیرو ہیں لیکن کچھ جنوبی حصوں کے باشندوں کی تہذیب میں ہندویت سرایت کر گئی ہے اور تبتی دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ ہندو دیوی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی ہے۔ چمب لاہول علاقے کے باشندوں میں مختلف نسلوں کی آمیزش ہے۔ ان میں لاہول رہتے ہیں جو مختلف بولیاں بولتے ہیں اور مختلف خطوں میں ان کے مختلف

رسم ورواج ہیں۔ گورا میں اکثر کوئی لامہ یا چورنو یعنی بدھ راہبہ نظر آجاتی ہے۔ لاہول میں زیادہ تر لوگ تبتی نژاد ہیں، بجز کنیتوں اور کلو سے آئی ہوئی نچلی ذات والوں کے۔ بالائی حصے کے لاہول کے مقابلہ میں ان کی خاندانی مماثلت نشیبی لاہول والوں سے زیادہ ہے۔ پنگوال ضلع چمبہ کے پنگی علاقے میں آباد ہیں۔ یہ لوگ دریائے چناب، راوی اور بیاس کی وادی کے نشیبی علاقوں سے اور لاہول سے ترک وطن کرکے یہاں آئے، ان متنوع جغرافیائی حالات وسماجی ساخت وتنظیم کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر قبیلہ کا مطالعہ علٰحدہ علٰحدہ گہرائی سے کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ہم ان قبائل کا پورا علم حاصل کرسکیں اور یہ بھی سمجھ سکیں کہ ان کی دشواریاں اور اہم مسائل کیا ہیں۔ اس کے لیے ان کی اصلیت، طرز زندگی، پیشے، تہذیب، مذہب، رسم ورواج اور ان کی ممنوعات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ قومی یکجہتی کی سمت میں کام کرنے کے لیے ان سب باتوں کی ضرورت ہے۔ چونکہ ہماچل پردیش کے بنجاروں کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے اس لیے میرے خیال میں ان ساری باتوں کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ مشعل راہ ہوگی اور انسانیات وعمرانیات وسماجی کام اور سماجی علوم کے طالب علموں کے لیے ایک بے بہا وانمول چیز ہوگی اور ہماچل والوں کے لیے فلاح وبہبود کی اسکیمیں تیار کرنے والوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔

مجھے اُمید ہے کہ قارئین ہماچل پردیش کے بنجاروں کے متعلق اس پہلی کتاب کا خیر مقدم کریں گے۔

ڈاکٹر ٹی۔ بی۔ نائک
پروفیسر وصدر شعبہ
رائے پور یونیورسٹی

گدّی

ایک خانہ بدوش قبیلہ

ہمالہ کے پہاڑوں سے اگرچہ آج کل عام لوگ سرسری واقفیت رکھتے ہیں مگر ابھی تک ان کا اچھی طرح جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان پر تحقیقی کام بڑا ہی نتیجہ خیز ثابت ہوگا کیونکہ تمام عظیم پہاڑی سلسلوں کی طرح ان پہاڑوں نے بھی ماضی کے مختلف ادوار میں کئی مختلف نسلوں، تمدنوں، مذاہب اور فنونِ لطیفہ کو پناہ دی ہے جنہیں دوسری جگہوں پر یا تو فراموش کر دیا گیا یا مٹا دیا گیا یا وہ دوسری سماجی اکائیوں کے ساتھ اس طرح مل گئے کہ ان کی کوئی انفرادیت باقی نہیں رہی، یا پھر یہ ہوا کہ کسی بعد میں آنے والی تہذیبی ڈھانچے میں ضم ہو گئے۔ ہرمن گوئیٹیز نے اپنی کتاب "دی ارلی اوڈن ٹمپلس آف چمب" میں لکھا ہے کہ ماہرینِ علم الانسان، مورخین اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو جن بہت سارے مسائل سے سابقہ پڑتا ہے، ممکن ہے کہ ان کا حل پہاڑوں کی ان گھاٹیوں میں پوشیدہ ہو۔

یہ بات تو ظاہر ہی ہے کہ پہاڑی علاقے کی زندگی کٹھن ہوتی ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ قدرتی عناصر کے ساتھ ایک کشمکش سے عبارت ہے لیکن ماحول کی مشکلات، انسان کی قوتِ اختراع اور اس کی قوتِ مہم جوئی کو دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ اس کے

برخلاف ان حالات نے ان کے اندر ہر طرح کے ماحول میں خود کو ڈھال لینے کی صلاحیت اور غیر معمولی ہمّت و توانائی پیدا کر دی ہے اور یہی اس علاقہ کی خود کفیل زرعی معیشت کا سبب ہے۔ دامن کوہ میں واقع زینہ بہ زینہ کھیتوں کی دل کشی کسانوں کی غیر معمولی سخت کوشی اور ہوشمندی کی زندہ علامت ہے۔

پریشان کن محاذ

چونکہ ہماچل چینی حملے کے بعد سے ہندوستان کا ایک پریشان کن محاذ ہے۔ اس لیے اس علاقہ کے خانہ بدوش لوگوں کا خاص طور پر گدّیوں کا بھرپور اور ہمہ گیر مطالعہ ایک قومی مسئلہ بن گیا ہے۔ مصنف کو خود مبصرین کے ایک گروہ کے ہمراہ ان لوگوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ اگر کسی شخص کو ان دشوار گذار علاقوں میں جانے کا کبھی موقع ملا ہو تو وہ وادیٔ برہمور کی اس نہایت تنگ گھاٹی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جس کے دونوں طرف چشمۂ بُدھال کی تقریباً عموداً کھڑی چٹانیں واقع ہیں۔ یہ چشمہ آگے چل کر دریائے راوی سے مل جاتا ہے۔

گدّی قبیلہ بلا شرکت غیرے اس برفیلے سلسلۂ کوہ پر رہتا ہے جو چمب کو کانگڑا سے جُدا کرتا ہے۔ اس قبیلہ کے بعض افراد نیچے اُتر کر اس وادی میں بھی بہک کر آگئے ہیں جو اس سلسلۂ کوہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ مگر ان کی بڑی اکثریت بہت اُونچائیوں پر رہتی ہے۔ یہ لوگ چار ہزار فیٹ سے سات ہزار فیٹ تک کی بلندی پر پائے جاتے ہیں جہاں کھیتی باڑی بالکل نہیں یا نہیں کے برابر ہوتی ہے۔ قبائلیوں کی ایک بڑی تعداد ہماچل پردیش کے چمبؔ اور کانگڑاؔ ضلعوں میں رہتی ہے۔

قبیلہ اور اس کا اصلی وطن

گدی قبیلہ کے لوگ نیم خانہ بدوش ۔ نیم زراعت پیشہ اور نیم چرواہے قسم کے لوگ ہیں ۔ سال کے چھ مہینے وہ اپنے مویشیوں کے لیے گھاس اور چارے کی جستجو میں اور اپنے لیے موسمی روزگار کی تلاش میں گھومتے پھرتے ہیں ۔ بقیہ چھ مہینے اپنے اپنے گاؤں میں فصلوں کو بونے اور کاٹنے میں صرف کرتے ہیں ۔

نسلی طور پر یہ لوگ بہت سادہ لوح ، تند خو ، تنومند اور پاک دامن قسم کے لوگ ہیں اور مجموعی طور پر بہت دل چسپ ہوتے ہیں ۔ ان کے عادات و اطوار میں بے تکلفی، امن پسندی اور خوش مزاجی کی جھلک پائی جاتی ہے ۔ ان کی جسمانی ساخت مضبوط ہوتی ہے ، ان کی ٹانگیں کمان نما سی ہوتی ہیں ۔ چونکہ ان کی اکثریت خانہ بدوشی کی زندگی گذارنے کی عادی ہے اس لیے وہ ہر قسم کے موسم میں شدید قسم کی سختیاں جھیل لینے کے خوگر ہیں ۔ دھوپ اور بارش کا سامنا کرتے کرتے ان کا رنگ کچھ گہرے گندمی قسم کا ہوگیا ہے ۔ عورتیں قبول صورت اور دل پسند ہوتی ہیں اور اپنی عفت مآبی کے لیے مشہور ہیں ۔ وہ شرمیلی اور خلیق بھی ہوتی ہیں ۔ کانگڑا کے راجہ سنسار چند دوم ایک قبائلی لڑکی کے حسن و جمال پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ اس سے شادی کر لی ۔ اسے گدّی کی رانی کہا جانے لگا اور یہ واقعہ بجا طور پر عوامی گیت کا عنوان بن گیا ہے ۔ جو درج ذیل ہے :-

گدّی اپنی بکریاں چرا رہا تھا
اور گدّن اپنی گائیں
اس کی مٹی کی ٹھلیا چٹانوں سے ٹکرا کر چور چور ہوگئی

گائیں گھاس چرتی رہیں
راجہ سنسار کی چند نظر ایک نوجوان لڑکی پر پڑی
راجہ اس پر فریفتہ ہوگیا
اور اس لڑکی سے شادی کرلی

سماجی ڈھانچہ

گدی قبیلہ سرقبیلی یا پدری سرداری کے خاندانی نظام کا پیرو ہے۔ باپ جو خاندان کا سربراہ ہوتا ہے اس بات کا ذمہ دار ہوتا ہے کہ وہ خاندان کے ہر رکن کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔ مگر ماں بھی اتنی ہی ذمہ دار ہوتی ہے۔ وہ سخت محنت کرتی ہے اور کسی حد تک کھیت پر اور گھر کے اندر بھی باپ سے زیادہ ہی کام کرتی ہے۔

گدی ایک پیشہ ورانہ نام ہے، اس کا مطلب ہے گڈریا اور اس میں مندرجہ ذیل ذاتیں شامل ہیں:۔

(۱) گدی برہمن (۲) گدی راجپوت (۳) گدی راٹھی (۴) گدی سیپی اور (۵) گدی رہڑا۔

کام کی بنا پر زیادہ فرق نہیں ہے۔ ہر ذات کا پیشہ چرواہی کرنا ہے۔ مگر سماجی درجہ بندی میں قبیلوں میں ذاتوں کو بالعموم اسی ترتیب سے رکھا جاتا ہے جو اوپر درج کی گئی ہے۔

ذاتوں کی ساخت ان قدیم روایات پر منحصر ہے جو وہ پنجاب، راجستھان اور بنگال سے ایام ماضی میں ترک وطن کرکے آتے وقت اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کے

ترکِ وطن کے متعلق عالموں اور قبیلے کے لوگوں کے درمیان مختلف نظریات اور عوامی نغمے مشہور ہیں۔

ایک عوامی کہاوت یہ ہے کہ

اجڑیا لاہور

تے وسیا برہمور

یعنی لاہور کو اُجاڑا، برہمور بسا۔

خانہ بدوش لوگ ہجرت کرتے وقت

گدّی حقیقی خانہ بدوش زندگی کا مطالعہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب وہ اپنے مویشیوں کے ساتھ ترک وطن کرتے ہیں۔ ایک گڈریا المونیم کے کچھ ہلکے برتن اور لوہے کا توا ساتھ لے جاتا ہے۔ وہ اپنے ایک ہاتھ میں ایک حقّہ ضرور رکھتا ہے۔ وہ اناج رکھنے کے ایک کشکول (کھلرو) اور دیگر ضروری تھوڑا سا سامان اپنی پیٹھ پر لادے رہتا ہے۔ اپنے گلے کو ہانکتا جاتا ہے، چمڑے کے ایک تھیلے میں تمباکو رکھتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فالتو لباس نہیں ہوتا۔ وہ اپنا روایتی چولا پہنے رہتا ہے جس میں بکری یا بھیڑ کے نوزائیدہ بچے سوتے رہتے ہیں۔

دوران مہاجرت گدّی عورت کو مرد کے برابر بوجھ اٹھائے چلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے کندھے پر بوجھ اُٹھائے ہوتی ہے اور اپنے ننھے بچے کو اس بار کے ساتھ باندھ دیتی ہے، ایک ہاتھ میں کچھ برتن لیے ہوتی ہے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے دوسرے بچے کو سہارا دیتی ہے، اور اس طرح وہ ہمالہ کی وادیوں کے ناقابل عبور اور دشوار گذار راستوں کو طے کرتی جاتی ہے۔ اس طرح وہ نرم گرم

ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی رہتی ہے اور اس کی کشمکش اور مشکلات میں واقعتہً زندگی کے نصف بہتر ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

سفر کی حالت میں گڈریا سادہ کھانا تیار کرتا ہے جو مکئی کے آٹے کی روٹی، مسور کی دال یا سبزی پر مشتمل ہوتا ہے بشرطیکہ یہ بھی دستیاب ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پلیٹ نمک، سبز مرچوں اور کچی پیاز سے بھری ہوتی ہے۔

قبائلی اپنے ساتھ کبھی کوئی خیمہ نہیں رکھتا اور کھلے آسمان کے نیچے سوتا ہے۔ جب آسمان ابر آلود ہوتا ہے تو وہ کسی درخت کے سائے میں کسی نکلی ہوئی چٹان کے نیچے یا کسی غار میں آرام کرتا ہے۔ جہاں یہ چیزیں بھی نہیں ہوتیں تو وہ اپنے آپ کو ایک گٹھڑ کے ساتھ دوتہہ کر لیتا ہے اور بھیڑوں بکریوں کے درمیان لیٹ جاتا ہے۔ بستر کے لیے اس کا کمبل ہی کافی ہوتا ہے اور ڈورا (۲۰۰ فٹ لمبی اونی رسی جسے ہر گدی اپنی پیٹھ پر باندھے رہتا ہے) اس کے لیے تکیہ کا کام دیتا ہے۔

کتے، گلے اور بانسری

گدی لوگوں کے کتے اس قدر خوفناک ہوتے ہیں کہ وہ کسی بھالو یا تیندوا کے حملہ کا بھی منہ توڑ جواب دے سکتے ہیں۔ وہ اپنے مالک کے گلے کی نگہبانی اور اور حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ گدی اپنے کتوں کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں اور پیسوں کی غرض بآسانی انہیں جدا نہیں کر سکتے۔

مالندی (گڈریا) اپنی بھیڑ بکریوں کو اس وقت بیچتا ہے جب اسے مناسب قیمت ملتی ہے یا جب اسے پیسوں کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔ وہ دیوتاؤں سے ڈرتا ہے اور توہم پرست ہوتا ہے۔ اس لیے بعض دشوار گذار گھاٹیوں سے گزرتے

وقت وہ ایک بکرے کی قربانی کردیتا ہے۔ غسل تو کبھی کرتا ہی نہیں، دانت بھی شاذ و نادر ہی صاف کرتا ہو اور یوں بالکل خانہ بدوشوں جیسی زندگی بسر کرتا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اپنی بے احتیاطی و لاپرواہی کے باوجود اس کی تندرستی بہت اچھی رہتی ہے اور وہ خوش و خرم رہتا ہے۔

وہ روزانہ پانچ سات میل کا سفر کرتا ہے۔ اپنے گلے کو سیدھے راستہ پر لگائے رکھنے کے لیے اسے بڑی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ کام وہ کتّوں کی مدد سے اور سیٹی بجا کر کرتا ہے جس کی آواز پر بھیڑ بکریاں اس قدر دھیان دیتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

یہ خانہ بدوش اپنے پاس ایک بانسری ضرور رکھتا ہے۔ جب وہ کوئی عوامی نغمہ کی دُھن بجاتا ہے تو پہاڑیاں اس کی آواز سے گونج اٹھتی ہیں اور پہاڑی لڑکی اس سے متاثر ہوکر اپنا کام چھوڑ بیٹھتی ہے۔ اس تاثر کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔

ایک لعنتی زندگی

بلاشبہ انسان ایک ایسے نامی وجود کا نام ہے جس نے فطرت سے مطابقت پیدا کرلی ہے۔ چنانچہ وہ بالآخر اپنے جغرافیائی ماحول سے مجبور ہو جاتا ہے۔ جغرافیائی حالات کے بڑے بڑے اتار چڑھاؤ اس کے حدود متعین کرتے ہیں۔ تاہم قدرتی حالات اگر نسبتاً یکساں رہیں جیسے کہ دورِ حاضر کے انسان کے لیے ہیں تو وہ اپنے قدرتی ماحول کا غلام ہو جانے کی بجائے اس پر حاوی ہو جاتا ہے۔ مگر گدّی طرز زندگی اس اصول سے مستثنیٰ معلوم ہوتی ہے۔ اب بھی گدّی لوگ قدرت کے غلام ہیں اور روایتی پیشوں پر بھروسہ کرتے ہیں، ایک عوامی گیت کا مفہوم یہ ہے:۔

ہو تروٹی میرے چکّن ری

کبھی وہ بریا بھلے ہو
ہو کبھی نا ترو ئ۔ تروئ
دلے را پریتن ہو
ہو براہنڈا بھٹیارا رہانا
وہ بریا بھلے ہو
ہا براہنڈا جھگڑا راجی نا
وہ بریا بھلے ہو

نیا شادی شدہ جوڑا چلتا پھرتا نظر آتا ہے اور ہمالہ کے دشوار گذار راستوں کو طے کرتا جاتا ہے۔ عورت تھک جاتی ہے اور اس کی ٹانگیں درد کرنے لگتی ہیں۔ وہ شکایت کرتی ہے کہ شادی کے بعد اسے ایک رات بھی چین سے گذارنے کو نہیں ملی۔ وہ اپنے شوہر پر تہمت لگاتی ہے کہ اس تکلیف کا سبب ان دونوں کی خانہ بدوشی کی زندگی ہے۔

شاندار ماضی

گدی لوگوں کا ماضی بڑا شاندار رہا ہے۔ مشہور و معروف مورخ جے ہیچنس کے مطابق برہمور (چمب) ہندوستان کی سب سے پرانی ریاست تھی۔ یہاں سب سے پہلے مارو نے بود و باش اختیار کی۔ وہ مذہبی قسم کا آدمی تھا۔ راجودھیا کے حکمراں خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنی قدیم سلطنت کو خیرباد کہنے کے بعد وہ امن و سکون کی تلاش میں مختلف جگہوں پر مارا پھرا۔ بالآخر چمب پہونچ گیا۔

ناردپال نے چمب سے بارہ سال تک جنگ کی جس کی فوج منڈی کے پاس

مدن کوٹ تک بڑھ آئی تھی۔ عوامی گیتوں میں اس جنگ کے تذکرے ابھی تک دہرائے جاتے ہیں۔ گدی فوج نے جو چمب کی فوج کا صحیح نام ہے منآلی کے رانا کو "گدی پہاڑ" کے نشیبی قلعے میں مہینے تک محصور رکھا۔ انجام کار کو لو لوگوں نے مکر و فریب کے ذریعہ ان حملہ آوروں سے نجات حاصل کی۔ معاہدۂ امن کے بعد انہوں نے ان کو ایک سماجی تقریب میں بلایا۔ دھوکہ دے کر کوٹھی گھاٹی کے اس پار لے گئے اور رات کے اندھیرے میں پُل کو اُڑا دیا۔

اس پوری فوجی کارروائی کے دوران برتھور کے راجاؤں کی فوج میں اکثریت گدی لوگوں کی رہی ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ دارالسلطنت کے بہ مقام چمب منتقل ہونے کے بعد بھی ان کی فوجوں کو عام طور پر گدی فوج ہی کہا جاتا رہا۔ آج بھی ہندوستانی فوج میں اس قبیلے کے بہادر سپاہیوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔

مذہب اور جادو

ایک عظیم ماہر انسانیات جے۔ سی فریزر اپنی کتاب موسومہ " قدیم مذہب میں مُردوں کا خوف (FEAR OF THE DEAD IN PRIMITIVE RELIGION) میں رقم طراز ہے " عام طور پر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ ان کا شعوری وجود موت کے ساتھ منقطع نہیں ہو جاتا، بلکہ غیر محدود عرصہ تک یا ہمیشہ کے لیے باقی رہتا ہے۔ جسم نامی وہ لفافہ جس میں کبھی زمانے میں اس کا قیام تھا خاک کا حصہ بن جاتا ہے۔

بلاشبہ ہمارے ملک کی زندگی میں مذہب کا ایک نہایت اہم کردار رہا ہے۔ یہی وہ مرکز ہے جس کے گرد ہندوستان کی ساری سماجی زندگی گھومتی رہی بیکڑوں ہزاروں فرقوں میں مخالفت ضرور رہی لیکن تقریباً تین قرنیں گذرتے گذرتے اپنے قدیم

مسلک کی طرف لوٹ آتے اور ایسا کرتے ہوئے انھوں نے ہندوستانی طرز عمل کے وسیع عمومی دھارے میں فلسفۂ خایاتیات کے زیر اثر اپنے معیاری طریقۂ کار کا اضافہ کیا ہے چنانچہ ہندوستانی مذہب بنیادی طور پر روایتی طرز زندگی ہی کا دوسرا نام ہے۔

اپنے اپنے مخصوص طور پر وہ ہندو روایات اور مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کا مذہب بعض دل چسپ خصوصیات کا مظہر ہوتا ہے اور ان کی زندگی میں ایک نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جانوروں کی قربانی ان کے مذہبی رسوم کی ایک عام خصوصیت ہے۔ ان کے بیشتر دیوی دیوتا گوشت خور خیال کیے جاتے ہیں۔ اور ہر مذہبی تقریب کے موقعہ پر بھیڑ بکروں کی بلی دی جاتی ہے۔

سب سے بڑا دیوتا

گدیوں کا سب سے بڑا دیوتا شیو ہے۔ یہی ایک دیوتا ہے جو کائنات کی تخلیق کرتا ہے اور قیامت کے دن اسے برباد کر دے گا۔ وہ اس کی پوجا کرتے ہیں مگر یہ پوجا کسی حد تک کٹڑپن پر مبنی ہے۔ شیو کے متعلق ایک لوک گیت کے بول یوں ہیں:-

"گدی اپنے گلے کو چرا رہا تھا
گدی نے شیو کے لیے خوشبو کا دھواں کیا
گدی کو اس نے بھیڑ دیے
اور گدی کو خوبصورتی"

اس سے شیو میں ان کی عقیدتمندی کا سراغ ملتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انہیں صحت، دولت اور حسن عطا کرتا ہے۔ وہ اپنے بھگتوں کی تمام خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ عوام الناس کی اس عمومی عقیدت مندی کی وجہ سے یہ سرزمین شیو بھومی

کہلاتی ہے ۔ برہمور کے چوراسی ملاتے ہیں ۔ ہری ہر کا ایک عظیم الشان مندر ہے جس میں متعدد شیو لنگ نصب ہیں ۔ خاص برہمور میں کوئی ایسا مندر موجود نہیں ہے جو لکشمی نارائن ، کرشن اور رام سے منسوب ہو ، حالانکہ عوام جنم اشٹمی کا تیوہار مناتے ہیں اور تھوڑا بہت رام نومی کا بھی التزام کرتے ہیں ۔ ہمارے اس علاقے کا جائزہ لینے کے دوران اس میں ایک گردوارے کا سراغ ملا ؛ مگر نہ تو کسی آریہ سماج مندر کا پتہ چلا ، نہ ہی کسی مسجد یا گرجا کا ۔

رُوحیں

گدّی لوگ کئی قسم کی بد رُوحوں میں یقین رکھتے ہیں اور بعض مخصوص مواقع پر ان کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ انہیں ادتار کہہ کر پکارا جاتا ہے یعنی یہ ایسی روحیں ہیں جو خوف و دہشت کی وجہ سے مقامی دیوتاؤں کے مرتبہ تک پہنچ گئی ہیں ۔ ادتار اس شخص کی روح کو کہتے ہیں جو لاولد مرگیا ہو ۔ ان کا خیال ہے یہ لوگوں کو بیمار ڈال دیتی ہے اور آنیوالے خطرات سے انہیں خواب میں خبردار کردیتی ہے ۔ انسان کے دل میں دہشت ڈال دیتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار پڑجاتا ہے ۔ رُوحِ بد کو دُور بھگانے کی غرض سے جمن والا ادا کیا جاتا ہے ۔ بیمار آدمی ایک ایسی پوشاک پہنتا ہے جسے روح بد کے لیے تیار کیا گیا تھا ۔ مردہ شخص کی چاندی کی ایک مورتی بنائی جاتی ہے ۔ بالعموم اسے کسی چشمے کے قریب نصب کیا جاتا ہے اور پھر اس کی پوجا کی جاتی ہے ۔ ان رُوحوں کو خوش کرنے کے لیے بکرے چڑھائے جلتے ہیں ۔

ان کا خیال ہے کہ کیلو بیر یا کیلنگ ایک ایسا بھوت ہے جو اسقاطِ حمل کا

باعث ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ حاملہ عورت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس دیوتا کو راضی کرنے کے لیے حاملہ عورت چار تانبے کے سکے اور اپنا نکلس کیلو کے نام پر چڑھاتی ہے۔ ولادت کے دو تین ماہ کے بعد پروہت اور عورت دونوں مل کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔ منتر پڑھ کر اس کے گن گائے جاتے ہیں اور اس موقع پر ایک بکرا بھی چڑھایا جاتا ہے۔

گنگا بیماریاں پیدا کرنے والا ایک راکھشس ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ وہ مویشیوں اور خاص طور پر گایوں پر حملہ کرتا ہے۔ اس طاقت ور راکھشس کی پوجا اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کے نام پر ایک لوہے کا توا نکال دیا جاتا ہے۔ لوہے کا ایک ٹکڑا لیا جاتا ہے اور دیوتا کو گوسالہ میں لے جایا جاتا ہے۔ جہاں مقدس آگ کے قریب اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ ایک بکرا ذبح کرکے اس کے خون کے کچھ قطرے لوہے پر چھڑکے جاتے ہیں، ان کا ایک حصہ صرف گھر کے لوگ کھاتے ہیں اور باقی کو دفن کر دیا جاتا ہے۔

بنگلودے

قبائلیوں کا عقیدہ ہے کہ اگر دیوسنسکار (DEV SANSKAR) کی مذہبی رسوم معقول طور پر ادا نہ کی جائیں تو مرنے والے کو سکون نہیں ملے گا اور اس پر ناراض ہو کر وہ روح اپنے عزیزوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ان کا یقین ہے کہ مردہ شخص خواب میں اپنی خوشی سے چھوٹے چھوٹے مکان بنوا دیتے ہیں۔ ایسے مکانات بنگلود یا بیدنگ (BANGALODS OR BEDINGS) کہلاتے ہیں۔ یہ مکانات گاؤں کے باہر کھلی جگہوں میں بنوائے جاتے ہیں۔ ان مکانوں میں

مسافر و سیاح بھی قیام پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ رُوح متوفی کو یہاں ابدی سکون حاصل رہتا ہے اور وہ مرنے والے کے عزیزوں کو فائدے پہنچا سکتی ہے۔

مذہبی رسوم و قربانیاں

پجاری گدیوں کے مخصوص امتیازی لباس میں ملبوس ہوتا ہے۔ وہ ریشمی پگڑی سر پر باندھے، گلے میں سونے کا کنٹھا اور کانوں میں چند سنہری بالیاں پہنے رہتا ہے، لیکن جوتے نہیں۔ وہ چاندی کی ایک وزنی عصا اور ایک تھالی لیے رہتا ہے جس میں سندور، چاول، پھول، ایک ٹکڑا لال کپڑے کا، گولا سنکھ اور دودھ وغیرہ پوجا کے سامان رکھے رہتے ہیں۔ پجاری عام طور پر برہمن ہوا کرتا ہے۔ لیکن ان کے مذہب کی یہ ایک عجیب خصوصیت ہے کہ ایسا پجاری (چیلہ) جو کسی رذیل طبقہ کا ہو، سب سے بہتر اور برتر سمجھا جاتا ہے۔ اس ملک کے بعض حصوں میں نچلی ذات کا آدمی مندر میں نہیں داخل ہو سکتا، حالاں کہ وہاں کا پُجاری نچلے طبقے کا ہوتا ہے۔

قربانی کے جانور کو پہلے نہلایا جاتا ہے۔ اس کے سر پر فلست (پھول اور چاول) چڑھایا جاتا ہے اور اس پر دُوب (گھاس) سے پانی چھڑکا جاتا ہے اور بھکت DEVOTEE اپنے ہاتھ میں ایک تانبے کا سکہ (پیسہ) لیے رہتا ہے۔ اگر وہ جانور کانپ اُٹھتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیوتا نے چڑھاوا قبول کر لیا۔ اس کے بعد ایک تیسرا آدمی اس جانور کو مار ڈالتا ہے۔ پجاری کچھ منتر پڑھتا ہے اور اس جانور کی کھال، سر اور ایک ٹانگ لے لیتا ہے۔

اس کے جسم کا بقیہ حصہ ذبح کرنے والے کا ہوتا ہے۔

یہ قربانیاں زیادہ تر اس وقت کی جاتی ہیں جب نئے کھیتوں میں ہل چلائے جاتے ہیں یا کھیتوں کی گیہوں پیدا کرنے کی قابلیت کو دور کرنے کے لیے، تعمیر مکان کے لیے سنگ بنیاد رکھنے اور مرکزی شہتیر نصب کرنے کے وقت، ولادتوں اور شادیوں کا جشن منانے کے موقع پر، کسی شخص کی وفات کے بارہویں وچودہویں دن، آغاز سفر کے وقت اور خبیث رُوحوں کو رضامند وسازگار کرنے کے لیے قربانیاں کی جاتی ہیں۔

یہاں پر ایک ایسے واقع کا ذکر کرتا ہوں جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ میرے بودھل BODHAL ندی تک پہنچنے کے دو دن قبل ایک نوجوان آدمی دریا میں گر گیا اور گرتے ہی مر گیا۔ اس کی موت کی خبر پاکر اس آدمی کے رشتہ دار دو بکروں کو لیے ہوئے اس مقام پر پہنچے اور شخص متوفی کے نام پر انہیں ذبح کر دیا تاکہ مرحوم کی رُوح کو چین وسکون حاصل ہو۔

چیلا (پجاری وساحر) ان کا رہنما اور مشیرکار ہوتا ہے جس کی رضامندی کے بغیر لوگ اپنے بچوں کو اسکول بھی نہیں بھیجتے۔ گدّی قبیلہ کے لوگ اپنی روزانہ زندگی میں بے حد مذہبی ہوتے ہیں۔ لکھا پڑھا گدّی بھی ان چیلوں اور پجاریوں کا پوری طرح معتقد ہوتا ہے۔

دُنیائے سحر و جادوگری

دیگر قبائلیوں کی طرح گدّی قبیلہ کے لوگ بھی سحر و جادو میں یقین کرتے ہیں جو ان کے مذہب کا ایک اہم جزو بھی ہے۔ جادوگر مذہبی رسومات کے ذریعہ اپنا مقصد

پورا کرتا ہے روحوں کا سہارا لے کر نہیں۔ ان کے درمیان ایسے چیلے ہوتے ہیں۔ جنہیں کچھ مخصوص قوتیں ہوتی ہیں جو خلقی یا جبلی ہوتی ہیں یا مشق وریاضت سے حاصل کی جاتی ہیں۔ (ان کے) سحر و جادوگری کی چار قسمیں ہیں :۔

۱۔ وشی کرن، مریض کی آنکھیں اُلو کی آنکھوں جیسی ہوجاتی ہیں، اور وہ ایک لفظ بھی بول نہیں سکتا۔

۲۔ مارن: کسی شخص کو ہلاک کرنے کے لیے اسے جادو کے ذریعہ زہر دیا جاتا ہے۔

۳۔ متعدی پالگنی: کسی جانور کی خصوصیات حاصل کرنے یا اس سے محفوظ رہنے کے لیے اس کا ایک حصہ لے جاتا ہے۔

۴۔ تنتر: کسی آدمی کو کوڑھی بنا دینے یا اسے پست وتحلیل کر کے محض ایک ڈھانچہ تک محدود کر دینے کے لیے۔

ڈائن یا سحر و جادو

سحر و جادو ایک مقصد عظیم ہے جسے رسوم ساحری ادا کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔

قبائلیوں کا مقولہ ہے کہ ڈائن دن کے وقت عورتوں کا بھیس بدل کر گھومتی پھرتی ہیں۔ رات شروع ہوتے ہی وہ اپنا بستر چھوڑ کر اپنی جگہ پر جاروب (جھاڑو) رکھ دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے خاندان کے اور لوگوں پر منتر پھونک دیتی ہیں۔ جس کی بدولت وہ سمجھتے ہیں گویا وہ اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ ڈائن کسی گروڑ (GROR) شیر یا مرگ (MIRG) پر سوار ہوکر اُڑ جاتی ہے۔ کُل ڈائنیں کسی جنگل میں ایک جگہ اکھٹی ہوکر رات بھر ناچتی گاتی ہیں۔ علی الصباح اور لوگوں کے بیدار ہونے کے قبل

ہی اپنے گھر پہنچ جاتی ہیں۔

اگر کوئی ڈائن کسی کی جان لینا چاہتی ہے تو وہ تیزی سے بھاگ کر کسی جوت (JOT) یا دھار (DHAR) پر چلی جاتی ہے اور وہاں سے چند جڑی بوٹیاں لے آتی ہے۔ بعدازاں وہ ان بوٹیوں کو اس مرد یا عورت کو کھلا دیتی ہے جس کو وہ مارنا چاہتی ہے۔ اور اگر کسی چیلا کے ذریعہ اس کا علاج وقت پر نہ کیا گیا تو وہ کسی لامعلوم مرض میں مبتلا ہو کر مر جاتا یا مر جاتی ہے۔ اہالیانِ قوم ان ڈائنوں کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی دیگر کوہستانی قبیلوں میں ہے۔

بہار کے سنتھالیوں کی طرح گدّیوں کا یقین ہے کہ ساحری و جادوگری فطری و جبلی نہیں ہوتی بلکہ تربیت و ریاضت کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہے۔ ڈائن کسی عورت یا لڑکی کو ساحری کی مشق و تربیت کے لیے ترغیب نہیں دیتی۔ اس فن میں مہارت حاصل کرنے کا خواہشمند خود اس کے پاس آتا ہے۔

جادوگر ڈاکٹر

مختلف دیوتاؤں کے چیلوں (CHILES) کے علاوہ ایک جادوگر طبیب ہوتا ہے جو گردی چیلا کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔ یہ تقریباً سارے قبائلی دیوتاؤں کی پرستش کرتا ہے۔ ایسے مریضوں کا علاج کرتا ہے (شفا بخشتا ہے) جو کسی سفلی جادو (BLACK MAGIC) کے زیرِ اثر ہوتے ہیں۔ علاج کے لیے ڈولی یا مریض اس کے مسکن پر آتے ہیں۔ وہ ڈھول کے تال پر دوپترا (DUPATRA) (یہ بکرے کی تانت کا بنا ہوا ایک باجا ہوتا ہے) بجانے لگتا ہے۔ اسی وقت وہ مریض (DOLD

کی طرف ایک کوڑی پھینکتا ہے۔ وہ وجد میں آکر ناچنے لگتاہے۔ پس وہ اس ڈائن کا نام بتا دیتا ہے جس نے اسے کوئی بوٹی دی تھی۔

اس کے بعد وہ چیلا اسے اپنے ہاتھوں پیروں کو اس بالٹی کے پانی میں ڈبونے کو کہتا ہے۔ جو پہلے ہی بھر کر رکھ لی جاتی ہے۔ بعدازاں وہ مریض کے جسم کے اوپر مور کے پروں (کا ایک دستہ (مٹھا) گھماتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض کے جسم سے کچھ دھول، کچھ بال اور دھاگے نکل کر اس بالٹی میں جاگرتے ہیں۔ یہ یہ عمل ایک ہفتہ تک جاری رہتا ہے حتیٰ کہ مریض بالکل صحتیاب ہوجاتا ہے۔ میں نے اس علاقہ میں اس طریقۂ علاج کے بہت سے واقعات سُنے ہیں۔

مَنی

بعض اوقات کوئی آدمی کسی جادوگر کی مدد سے اپنے دشمن کے گھر میں کچھ بال، ترشول (TRISHUL) مردے کی خاک (DHOOR) اور ستی سروں (SATISARON) (ہلدی)، کا ایک پُتلا دفن کر دیتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس خاندان کے سب لوگ بیمار پڑ جاتے ہیں اور برابر کسی مرض میں مبتلا رہتے ہیں۔ تب ان کا علاج کرنے کے لیے ایک چیلا بلایا جاتا ہے۔ وہ ایک منی (MANI) لکڑی کا برتن لاتا ہے اور اسے مکان کے بیچ میں رکھ دیتا ہے۔ کچھ پڑوسی اس کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں۔ کسی باہری (غیرمتعلق) شخص کی کلائی پر ایک کنگن (سُرخ دھاگہ) باندھ دیا جاتا ہے اور منی مذکور اس کنگن بندھے ہوئے ہاتھ پر رکھ دی جاتی ہے۔ وہ چیلا (CHELA) ترنم کے ساتھ منتر پڑھتا ہوا اس میں چاول یا ماہ (MAH) کے دانے ڈالتا ہے۔ اس کے بعد منی (MANI) حرکت کرنے لگتی ہے اور اس آدمی

کو اس مقام پر کھینچ لے جاتی ہے جہاں سے جادو کیا گیا ہے۔ اس مقام پر یہ خود بخود الٹ جاتی ہے۔ اُس آدمی کو اپنی نشست پر چلے جانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ دوبارہ وثوق کے لیے چیلا پھر منتر پڑھتا ہے۔ یہ کارروائی تین بار کر چکنے کے بعد چیلا لوگوں سے اس مقام کو کھودنے کے لیے کہتا ہے جہاں پر منی MANI اُلٹی تھی۔ اور اِس طریقہ سے دفن کی ہوئی چیزوں کی تلاش کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس گھر کے سب لوگ صحتیاب ہو جاتے ہیں۔ مال مسروقہ کا پتہ لگانے کے لیے بھی منی سے کام لیا جاتا ہے۔

چیلا مبتلائے وجد

چیلا کو وجد میں لانے کے لیے اسے پالتھی مار کر بیٹھایا جاتا ہے اور اس کے سامنے عود و لوبان جلائی جاتی ہے۔ لوگ اس کے چاروں طرف اکٹھا ہوتے ہیں اور منی ہیش، شیو، کیلنگ، بربوہاری وغیرہم کی تعریف میں مندرجہ ذیل منتروں کو پڑھ کر اسے جوش میں لاتے ہیں: ۔

اولملے	منی ہیش کی جے
"	شیو شکتی کی جے
"	چاڈولا والی کی جے
"	بُربوہاری کی جے
"	کیلنگ وزیر کی جے
"	آپشکتی کی جے
"	مجھٹی والی کی جے

چند لمحوں کے بعد وہ چیلا جھومنے وکانپنے لگتا ہے اور اس پر مذہبی جوش حاوی ہوجاتا ہے۔ اسی دوران اسے ایک گلاس پانی بھی دیا جاتا ہے جس کو وہ الٹ دیتا ہے، لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی باہر نہیں گرتا۔ چند قطروں کو تو وہ اپنے بدن پر چھڑک دیتا ہے۔ اس میں سے تھوڑا سا اپنی زبان پھدکو کر بقیہ کو اپنے چہرے پر مل لیتا ہے۔ رہ رہ کر وہ ہنگل (لوہے کا چھڑ) یا دیگر نوکیلے اوزاروں سے اپنی ننگی پیٹھ پر ضربیں لگاتا ہے۔

اسے شاذ و نادر ہی چوٹ لگ جاتی ہو۔ جب اس پر پوری طرح ہذیانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور اس کا کھیلنا رک جاتا ہے، اس سے سوالات پوچھنے کا یہی موقع ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے پرستار نقد نذریں پیش کرکے سوال پوچھتے ہیں۔

چیلے کو وجد میں لانے کے وقت ایک کالے بکرے کی قربانی بھی کی جاتی ہے۔

وہ چیلا اس کا خون چوس کر اس کے مردہ جسم کو الگ پھینک دیتا ہے۔

اس ساحرانہ کارروائی کی ماہیت ان باترتیب بولے ہوئے الفاظ یعنی منتر میں مضمر ہے جس میں کچھ دعائیں یا برکتیں ہوتی ہیں، یا ان قیود و بندشوں کی وضاحت ہوتی ہے جو کسی چیز یا شخص پر لگائی جاتی ہیں۔

خانہ بدوشی ــــ ایک داغ ایک دھبہ

"ہم لوگ خانہ بدوش زندگی گذارنے کے کچھ بہت زیادہ خواہشمند نہیں ہیں۔ کوئی آدمی اپنا گھر بار چھوڑ کر سال کے چھ مہینے جا بجا مارا مارا پھرنا نہیں چاہتا، مگر یہ پیٹ ہے جو در بدر پھراتا ہے۔"

یہ الفاظ موضع چھتراری کی باشندہ ایک نوجوان گدن کے ہیں جس سے راقم الحروف نے خانہ بدوشی کی زندگی کی نسبت استفسار کیا تھا۔ گدی مواضعات کے باشندوں کی عام رائے شماری کے دوران مصنف ہذا نے مہاجرانہ زندگی کے اسباب وعلل کی بابت مندرجہ ذیل دلچسپ معلومات حاصل کی تھیں ۔

خانہ بدوشی کے اسباب

(۱) جاڑے کے موسم میں جانوروں کے لیے چارے کی قلت ۔
(۲) بھیڑوں، بکریوں کے واسطے برفباری کی وجہ سے ناموافق حالات ۔
(۳) کافی مقدار میں غلّہ پیدا نہ ہونے کی وجہ سے غذائی اجناس کی قلت ۔
(۴) اس علاقہ میں موسم کے موافق روزگار دھندا نہ ملنا ۔
(۵) کچھ لوگوں کا ضلع کانگڑا میں کاشتکاری کرنا جہاں ان کو جانا پڑتا ہے ۔
(۶) شدت سرما کے باعث صحت و تندرستی کے لیے خطرات ۔
(۷) مدت مدید کے مہاجرت کی عادت ہونے کی وجہ سے نقل مکانی کا شوق ۔
(۸) جاڑے کے موسم میں بھگوان شیو کے کیلاش سے چمب آجانے کے روایتی تصور کی بنا پر نقل مکانی سے دلچسپی ۔

ہماری رائے شماری میں صرف آٹھ ہی فیصد رائیں ایسی آئیں جن کا تعلق ان کے مہاجرانہ زندگی بسر کرنے کے ارادے سے تھا؛ بقیہ ۹۲ فیصدی جواب دینے والے ایسا محسوس کرتے تھے کہ ان کی اس طرح زندگی تکلیف دہ ہے ۔

(حالات کے ساتھ) ہم آہنگی کی راہ میں دشواریاں

راقم الحروف نے متعدد ایسے لوگوں سے ملاقاتیں کرکے اپنے سوالات کے

جوابات طلب کیے جو چمبؔ کے شہر میں مزدوروں، لکڑہاروں، قلیوں اور گھریلو نوکروں کا کام کرتے تھے۔ بنا بریں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ گدّی قبیلہ کا فرد ہر طرح کے حالات سے موافقت کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ انسانوں کا سا برتاؤ کیا جائے۔ گدّی اس بات کی شکایت کرتے ہیں کہ لوگ، خصوصاً بعض سرکاری ملازمین اُن سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ نہیں کرتے۔
اس مسئلہ کا اساسی اور قطعی حل اس بات میں ہے کہ قبائلیوں کو نہ تو بالکل الگ تھلگ رکھا جائے اور نہ ان کے ساتھ بے قاعدہ اور غیر منظم طریقہ پر ربط ضبط قائم کیا جائے۔ ڈاکٹر گوہا کا خیال ہے کہ قبائلی آبادی کے نظم ونسق کے لیے منصوبے تیار کرتے وقت ان دونوں باتوں پر دھیان دینا ضروری ہوگا۔

یہ مسئلہ اس طور پر حل کیا جا سکتا ہے کہ قبائلیوں کے علاقہ میں افسروں کی تقرری انہیں کی جماعت کے لوگوں میں سے کی جائے۔ اس بات سے کچھ تسکین وتشفی ہوتی ہے کہ متعدد پرائمری اسکولوں میں بہت سے گدّی معلم کام کر رہے ہیں۔ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ چھوٹے درجہ کی ملازمتوں کے لیے معقول قبائلی امیدوار نہیں ملتے ہیں۔

گدّی قبیلہ کے متعلق ہمارے مختلف النوع مطالعات کی بنا پر قیاس کیا جاتا ہے کہ ان کی اصلاح، فلاح وبہبود اور ترقی کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز معاون ہو سکتی ہیں:۔

تجاویز

۱۔ گدّیوں کو اپنی مہاجرانہ زندگی بسر کرنے کی عادت چھوڑ دینے کی ترغیب

دینی چاہیے۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لیے موسمی کاروبار یا اندرون خانہ کیے جانے والے منفعت بخش دھندوں کا بندوبست ہونا چاہیے، خصوصاً جاڑے کے دنوں میں۔

۲۔ قبائلیوں کے لیے پورے سال یقینی طور پر حسب ضرورت غلہ بہم پہنچاتے جانے کا مناسب انتظام ہونا چاہیے۔

۳۔ ان کی ان شکایتوں پر کہ محکمۂ جنگلات کے عہدہ داران ان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ نہیں کرتے اور انہیں مویشیوں کو چرانے کے لیے اجازت نامے جاری کرنے میں تاخیر ہوتی ہے، توجہ دی جانی چاہیے۔

۴۔ جنگلات سے متعلق کچھ ایسی امداد باہمی کی انجمنیں قائم کی جانی چاہئیں جو دھریپ اور طبی قدر و قیمت کی جڑی بوٹیاں اکٹھا کرنے کا انتظام کیا کریں۔

۵۔ جاڑے کے موسم میں انہیں مویشیوں کا چارہ، لکڑی اور ایندھن بہم پہنچانا چاہیے۔

۶۔ بے زمین کاشتکاروں کو کھیتی کرنے کے لیے زمین اور جدید قسم کے زراعتی اوزار بہم پہونچائے جائیں اور وقت معینہ پر بلا ناغہ آب پاشی کے لیے نہریں کھدوائی جانی چاہئیں۔

۷۔ چونکہ یہ علاقہ چین کے بہت قریب ہے، اس لیے ہماری فوج وہاں پہرے پر تعینات رہنی چاہیے اور عام لوگوں کو خود حفاظتی کی مشق کرانی چاہیے۔

۸۔ اگر کھادی گرامودیوگ کمیشن (KHADDI GRAM UDYOG COMMISSION) اپنا کاروبار اس علاقہ میں پھیلائے تو یہ ان کے لیے ایک زیادہ کارآمد و مفید مطلب ایجنسی AGENCY ثابت ہوگی۔ کتائی بنائی کی دستکاری کو ترقی دینا چاہیے تاکہ گدیوں کو اپنا اون بیچ دینے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ یہ خود اس سے

کپڑے تیار کر کے اسے اچھی قیمتوں پر فروخت کر سکیں ۔
۹ ۔ خبر رسانی کے وسائل کو ترقی دینے اور دیہاتی راستوں کی مرمت کی ضرورت ہے ۔ قیام گاہوں ، ڈاک بنگلوں میں کمبل تک دستیاب نہیں ہیں ۔
۱۰ ۔ حکومت کے مقامی اداروں کو کسی طرح کا متعصبانہ رویّہ نہ اپنانا چاہیے ۔
۱۱ ۔ ان کے لیے مفت و جبریہ تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے ۔
۱۲ ۔ حکومت اور خانگی ایجنسیوں AGENCIES کو چاہیے کہ شراب و سُور کے بُرے اثرات کو سمجھا کر منشیات کی فروخت کو روکنے کی کوشش کریں تاکہ یہ لوگ شراب خوری کے بُرے نتائج کو سمجھ کر اس سے پرہیز کریں ۔
۱۳ ۔ مذہبی ایجنسیوں کی مدد سے جانوروں کی قربانی روک دینی چاہیے ۔ اس سلسلے میں ناگا بابا کے ماننے والے بہت کچھ کر سکتے ہیں ۔
۱۴ ۔ گدی علاقہ کے مندروں اور قدیم تاریخی عمارتوں کی مرمت یا ان کی از سرِ نو تعمیر ہونی چاہیے ۔
۱۵ ۔ نئی نسل کی بھیڑوں ، گایوں اور بیلوں کو مقبول بنانا چاہیے ۔
۱۶ ۔ دیہاتی علاقوں میں طبی سہولتیں بہم پہنچائی جانی چاہئیں اور فیملی پلاننگ اسکیموں کو عام پسند بنایا جائے ۔
۱۷ ۔ آل انڈیا ریڈیو گدیوں کے لیے کچھ زیادہ مخصوص قسم کے پروگرام نشر RELAY کرے جن میں لوک گیتوں ، کہانی قصّے اور دوسرے تفریحی پروگرام شامل کیے جائیں ۔
۱۸ ۔ اگر منی مہیش MANI MAHESH تک جسے کیلاش سمجھا جاتا ہے خچروں پر سفر کرنے کا راستہ تیار کیا جائے تو مناسب طور پر تیرتھ جاترا کرنے میں مدد ملیگی ، اور اس علاقہ کی آمدنی بھی بڑھ جائے گی ۔ ان کی تہذیب کو محفوظ اور برقرار رکھنے کے لیے حکومت کی طرف سے چند ثقافتی انجمنیں قائم کی جانی

چاہئیں جنہیں سرکار مدد دیا کرے۔

۱۹۔ جو ملازمین خصوصاً معلمین و دیگر سماجی کارکنان، اس علاقہ کے لیے مقرر کیے جائیں ان کی اخلاقی حالت اچھی ہو اور وہ قبائلیوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کریں۔ قبائلیوں کے دلوں کو ان کے معاشرتی رسم ورواج اور روایتی طور طریقوں پر نکتہ چینی کر کے نہیں جیتا جا سکتا ہے۔ قبائلیوں اور بیرونی لوگوں کے درمیان باہمی رواداری اور میل جول کے لیے دونوں طرف سے اظہار خوش خلقی اور محبت و شفقت کی ضرورت ہے۔

برامئور: گدیوں کا ایک قبیلہ

ایک چھوٹا سا گاؤں برامئور BRAHMOIR ضلع چمب کی ذیلی تحصیل برامئو کا صدر مقام ہے۔ اس کو ۸۰۰ء سے لے کر وسط دسویں صدی عیسوی یعنی ۳۵۰ سال سے زائد تک قدیم برہمپورائی مقتدر ریاست کی راجدھانی بنے رہنے کا اعزاز حاصل تھا۔ بعد ازاں یہ راجدھانی منتقل ہو کر جدید طریقے سے بسائے ہوئے شہر چمپا میں چلی گئی جو آئندہ چل کر چمب کہلانے لگا۔ یہاں کے خوبصورت دیدہ زیب مندر حیرت انگیز طور پر محفوظ ہیں جو اس جگہ سنہرے دور کی یاد دلاتے ہیں۔ اس خطہ میں یہ موضع بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہاں پر ۱۴۰۰ سو سالہ پرانے مندر موجود ہیں۔

زمانۂ گزشتہ میں اس گاؤں تک پہنچنے کا راستہ بہت خطرناک تھا۔ ریاست چمب کے برامئور جانے کے راستے کا وہ بیان جسے وگل VAGEL نے اپنی کتاب "ریاست چمب کے آثار قدیمہ حصہ اوّل میں دیا ہے اور جو ضمیمہ اول میں شائع ہوا

ہے، اس کا مطالعہ نہایت دل چسپ ہوگا۔ اس پُرآشوب زمانہ میں جبکہ ہر ہمسایہ امکانی دشمن تھا یہ جگہ حفاظت و دفاع کے لیے نہایت مناسب و موزوں تھی۔ آج بھی گیہرا کے قریب ترین بس اسٹیشن سے اس گاؤں تک پہنچنے کے لیے آدمی کو ۲۲ میل پیدل چلنا یا ٹٹو کی سواری کرنا پڑتی ہے۔

سڑک پہلے تو دریائے راوی کے داہنے کنارے کنارے جاتی ہے اور تب چمب سے ۱۴ میل کے فاصلے پر یہ مقام بگا ایک جھولتے ہوئے پل کو عبور کرتی ہوئی اس کے بائیں کنارے کنارے کھرامکھ تک چلی جاتی ہے۔ یہاں پر یہ دریا کو عبور کرکے وادیٔ برامئور میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس مقام تک پہنچنے میں یہ ایک تنگ گھاٹی سے ہوکر گزرتی ہے جس میں چشمہ بدہل کے دونوں جانب تقریباً عمودی شکل میں کھڑی چٹانیں ہیں۔ یہ چشمہ دریائے راوی میں جا ملتا ہے۔ گیہرا (GAHARA) سے برامئور تک کے ۲۲ میل طویل علاقہ میں تمام ایسا راستہ بنا دینے کی پوری کوشش کی جارہی ہے جس پر جیپ گاڑی چل سکے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جیپ گاڑیاں برامئور تک ابھی سے آنے جانے لگ گئی ہیں۔ لیکن زمین ٹوٹ کر برابر پھسل جایا کرتی ہے۔ جس سے اس راستہ کو برابر ضرر پہنچا رہتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آئندہ دو چار سالوں کے اندر اندر ہی ایک بہتر سڑک پر چل کر برامئور پہنچنا ممکن ہوجائے گا۔ بدھل درۂ گلتی سے نکل کر وادیٔ برامئور جو عموماً وادی بدھل کہلاتی ہے، کے درمیان سے ہوکر تقریباً ۳۰ رمیل تک بہتی جاتی ہے۔ پوری وادی بوتل کے شکل کی ہے۔ جس کا ایک لمبا گردن نما حصّہ جاکر کھارامکھ میں ختم ہوجاتا ہے۔ گاؤں کے چاروں طرف یہ وادی کافی کھلی ہوئی ہے۔ نالے کی بائیں جانب کھیتوں کے تختے ہیں۔ یہ دُور تک اس سلسلۂ کوہ تک پہنچ جاتے ہیں جو اس گاؤں کو اپنی گود میں لیے ہوئے ہے۔

زمین زرخیز اور پیداوار ہے لیکن بارش کے پانی کی محتاج ۔ قدرتی پانی کی رسد بہتات سے ہے ۔اس میں چھوٹے چھوٹے برفیلے چشمے سال بھر بہتے رہتے ہیں اور اپنا بار دریائے بدھل میں گراتے رہتے ہیں ۔ خود یہ دریا بہ مقام کھارا مکھ دریائے راوی میں گرتا ہے ۔ان تمام نالوں میں جو براہمور کے قریب سے بہتے ہیں برہمنی نالے کی اہمیت سب سے زیادہ ہے ۔ اس میں اتنا پانی رہتا ہے کہ آس پاس کے مواضعات میں قائم چالیس سے زائد چکیاں چلائی جاسکیں ۔ یہ بات حکومت کے پیشِ نظر بھی ہے ۔ ان مواضعات کے لیے یہ چکیاں بہت اہم ہیں ۔

ابھی حال میں اس نالہ کے پانی کو روک کر براہمور کے لیے بجلی پیدا کرنے کا انتظام کیا گیا ہے ۔ایسی اُمید کی جاتی ہے کہ عنقریب مستقبل میں اس گاؤں کو بجلی کے بہت فوائد حاصل ہونے لگیں گے ۔

براہمور ۔۔۔ ، نیٹ بلند پہاڑ کی ماہی پشت پر اُگے ہوئے جنگلوں کی آغوش میں واقع ہے ۔ یہ سلسلۂ کوہ پہاڑ منی دیوی کی بدولت مشہور ہے ۔گوئنز یہاں کی سینری کا موازنہ سوئٹزرلینڈ کے بعض نہایت خوبصورت قدرتی مناظر سے کرتا ہے ۔آب و ہوا صحت بخش ہے ۔اس موضع کے ٹھیک شمال مشرق کی طرف منی مہیش کی چوٹی نظر آتی ہے ۔گرد و نواح کا علاقہ کیلاش کو چک کے نام سے مشہور ہے ؛ اور چونکہ بھگوان شیو کا ایک مسکن سمجھا جاتا ہے ۔ اس لیے اسے اور بدھل کی پوری وادی کو شیو بھومی کہا جاتا ہے ۔یہاں کے قدرتی مناظر اور بدھل نالے کے داہنے کنارے والے حصے میں دلچسپ تضاد نظر آتا ہے ۔یہاں پر ڈھلوان چٹان جن پر جابجا جھاڑیوں کے جنگل ہیں شاندار طور پر عموداً کھڑے ہیں ، ان پر کھیتوں کے تختے نکالنے کے لیے آدمی کو اپنی چابکدستی کا اظہار کرنے کے مواقع بہت ہی کم گویا نہیں کے برابر ہیں ۔ان چٹانوں تک رسائی اتنی مشکل ہے کہ ان کے بعض حصوں

پر چڑھنے میں گدڑیوں کو بھی پس و پیش ہوتا ہے۔ نالے کے بائیں کنارے پر وادی کے نشیبی حصہ میں بن کے جنگل ہیں۔ رفتہ رفتہ اس سلسلہ کوہ کے سرے پر ان جنگلوں کی بجائے صنوبر کے جھرمٹ ہیں۔

اس موضع میں نیم گلہ بان نیم کاشتکارانہ زندگی بسر کرنے والے گدی رہتے ہیں۔ ان کے مال و دولت کا بیشتر حصہ بھیڑوں بکریوں کے گلوں پر مشتمل ہے جنہیں جاڑے کے موسم میں وہ کانگڑا کی وادی اور ساکیت (SAKET) و منڈی (MANDI) کے گاؤں میں چراتے ہیں اور سال کے بقیہ دنوں میں سلسلۂ کوہ کے اس پار چمب، واہول میں ہانک دیتے ہیں۔ ان کا دوسرا اہم پیشہ زراعت ہے۔ ہجرت کرتے رہنے کی وجہ سے وہ اس میں دلچسپی نہیں لیتے اور وقفہ وقفہ سے کھیتی کرتے ہیں۔ کتائی، بنائی، زرگری اور آہنگری وغیرہ دیگر کمتر درجہ کے روزگار ہیں جنہیں کچھ لوگ کرتے ہیں۔ برامور کی پوری ذیلی تحصیل کا دوسرا نام گدیرن یعنی گدیوں کا دیس ہے۔

برامور کے قدیم راجاؤں کے ایوانوں کے نشانات اب باقی نہیں رہے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ ان کے محل چوگان (CHAUGAN) پر بنے ہوئے تھے جو ایک ہموار وسطح قطعۂ زمین ہے جس کا طول و عرض تقریباً ۳۵۰ گز و ۵۰ گز ہے۔ بہ جانب شمال یہ قدرے بلند تر ہے۔ اس میدان کے مشرقی گوشے پر کچھ سرکاری دفتر تعمیر کیے جا رہے ہیں۔ ایک پرانی عمارت جو کردار کوٹھی کہلاتی ہے، نرسنگھ جی کے مندر کے بالکل نیچے موجود ہے۔ اس میں نائب تحصیل دار کچہری کرتا ہے۔ ریاستی حکومت کے زمانہ میں یہی عمارت اس علاقہ کے کردار (KARDAR) کا دفتر تھی۔ ۱۹۰۵ء کے زلزلہ میں اس کوٹھی کو سخت صدمہ پہنچا۔

یہاں گرمی کا زمانہ خوشگوار ہوتا ہے، موسم عام طور پر خشک رہتا ہے لیکن

وقتاً فوقتاً بارش کے چند چھینٹے پڑ جاتے ہیں۔ گزشتہ دس سالوں یعنی ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۱ء تک کا اوسط دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سالانہ بارش ۳۲ء۲۲ ــــ ۷۷ء۸۰ کے درمیان گھٹتی بڑھتی رہتی اور برف باری ۸۸ء۲ ــ ۱۴۶ کے درمیان۔ جاڑے کے موسم میں سخت سردی پڑتی ہے۔ اس لیے دیہات کے زیادہ تر باشندے نشیبی علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔

ہیئت و خاکہ

اِس علاقہ کا خاکہ "جنگلات بالائی دریائے راوی" - (THE RAVI WORKING PLAN FOR UPPER RAIN FORESTS) کے تصحیح شدہ منصوبے میں دیا ہوا ہے۔

دو خاص سلسلہ کوہ ہیں جو راوی کے بالائی خطہ کو جنوب میں کانگڑہ سے اور شمال میں لاہول سے الگ کرتے ہیں۔ یہ خاصے اونچے پہاڑ ہیں جن کی چوٹیاں ۱۹۰۰۰ ہزار فٹ تک بلند ہیں ان پہاڑوں سے بہت سے چھوٹے چھوٹے پہاڑ پھوٹتے ہیں اور وادی کے خاص حصے میں پھیل جاتے ہیں، جہاں پر ان کی اونچائیاں کم ہیں وہاں یہ کچھ زیادہ چوڑے ہیں اور ان کی ڈھلان بہت نمایاں نہیں ہے۔ ان پہاڑی ٹکڑوں کے درمیان والے وادی کے حصے ۱۰ سے لے کر ۲۰ میل تک لانبے ہیں اور کئی مقامات پر خوشگوار پانی کے جھرنے ان وادیوں کو سیراب کرتے ہیں حدبندی کیے ہوئے جنگل تو ہر جگہ ہیں لیکن ۵۰۰۰ فٹ کی بلندی سے نیچے یا ۹۵۰۰ فٹ کی بلندی سے اوپر شاذونادر ہی پائے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ چھ ہزار اور آٹھ ہزار فٹ کی بلندی کے درمیان محدود ہے۔ اصل وادی

کے مرتفع حصّوں میں یہ ندیوں کے کناروں تک پہونچ گئے ہیں اور دیگر مقامات پر آبشاروں سے دو تین میل دور ہی رہ گئے ہیں ۔ ڈھالیں بہت گھٹتی بڑھتی ہوئی سی اور ۲۵ ڈگری (درجہ) سے کمتر ہیں ۔ مگر یہ ۲۵ ڈگری (کے زاویہ) سے کم تیکھی ہوں تو انہیں کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ ڈھلان کا اوسط تیکھا پن ۴۰ تا ۴۵ ڈگری ہے اور ۴۵ ڈگری والی ڈھلان کو بے حد تیکھی ڈھلان سمجھا جاتا ہے ۔ زیادہ ڈھلوان سطح پر والے جنگلوں کو پہاڑوں کی اُبھری ہوئی پتھریلی پرتیں اور چٹانیں قطع کرتی ہیں ۔ دُوسری سطح پر پائے جانے والے جنگل میں زمین برابر پھسلتی رہتی ہے اور کچھ جنگل اتنی دوری پر واقع ہیں کہ وہاں تک پہنچنا دشوار ہے (ماخذ۔ رینج افسر : برامئور RANGE OFFICER BRAHMOIR

چنبا کے طبقات الارض کے متعلق مختصر تشریحی نوٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کے یہاں کے بیشتر حصّے سیلبوری عہد SLAVERYAGE کی سلیٹ والی چٹانوں کے بنے ہوئے ہیں جن کا مرکزی حصہ گرینائٹ GRANITY یا گرینائٹ نما ابرک کی چٹانوں کے اسینار کے اوپر کھڑا ہے ۔ جبتک ان سلیٹوں کا لمس واتصال گرینائٹ کے ساتھ ہوکر ان کی قلب ماہیت نہیں ہو جاتی اس وقت تک یہ عموماً شملہ کی مثالی سلیٹوں کے مشابہہ ہوتی ہیں ۔ ان گول تودوں کی شکل میں اکٹھا پتھروں کے اسناروں میں ایسی سلیٹ والے پتھروں کی پرت دار چٹانیں بھی ہیں جن میں جواہر پارے پائے جاتے ہیں ۔ یہ پتھر کے ٹکڑے ہر طرح کی جسامت وشکل وصورت کے یعنی گول وگوشہ دار ہوتے ہیں ۔ بعضوں میں بالعموم سفید ونیلی یا بھورے رنگ کے سنگ مردہ (جس میں سونا رہتا ہے) کے شگاف یا دھاریاں رہتی ہیں ۔ بعضوں میں گہرے بھورے ونیلے رنگ کے نیم بلوری (تغیرات موسم کی وجہ سے کھپریل کی سی ترتیب دادہ) چونا کے بڑے بڑے پٹے اور قدرے بھوری و

سبز رنگ کی دھاریاں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی مٹی کم وبیش پنڈول یا گلی ہے۔ کہیں کہیں پر یہ پنڈول مٹی پیلی یا سفید اور سخت ہے۔ لیکن ان جگہوں کے سوا یہاں کی مٹی زرخیز اور درختوں کی بالیدگی کے لیے مناسب ہے۔

پینے کے پانی کا واحد سرچشمہ جسے عموماً پنّہار کہا جاتا ہے، چھاسی کے علاقہ میں ہے۔ اس میں برہمنی تالاب سے پائپوں کے ذریعہ پانی پہونچا دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہاں کے لوگ دور دراز برہمنی تالاب تک جاکر پانی لانے کی زحمت اُٹھانے سے بچ جاتے ہیں۔

تاریخ

دستیاب دستاویزات کے مطابق اس موضع کی بنیاد چھٹویں صدی عیسوی کے وسط میں پڑی ہوگی۔ یہاں کے سب سے پہلے حکمراں جستمبہ کے باپ مارو یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ ایک مقامی روایت ہے کہ یہ گاؤں اس سے بھی قدیم تر ہے اور عوام کا یقین ہے کہ یہ مقام برہمنی دیوی کا باغ تھا۔ سلسلۂ کوہ کے اوپر جہاں ان کا مندر ہے، وہیں ان کی قیام گاہ تھی۔ یہی مقام برہمنی نالے کا سرچشمہ ہے۔ برہمنی دیوی ایک برہمنی خاتون تھیں جن کا لڑکا ایک چکور سے بہت مانوس تھا۔ چکور کو ایک دیہاتی نے مار ڈالا تو اس کے غم میں وہ لڑکا بھی مرگیا۔ اپنے بیٹے اور چکور کی لاش کے ساتھ وہ زندہ جل مری اور اپنی روح سے وہاں کے لوگوں کو آزار پہنچانا شروع کر دیا۔ اس لیے انھوں نے اسے دیوی کے مرتبہ پر پہنچا دیا۔ اور ایک مندر بنا دیا۔ قصہ یہ ہے کہ ایک بار منی مہیش جاتے وقت بھگوان شیو اپنے ۸۴ سدھوں کے ساتھ آرام کرنے کے لیے باغ میں قیام پذیر ہوگئے۔ جب وہاں کی

صدر نشین برہمنی دیوی نے ان سدھوں SIDHS کی جلائی ہوئی آگ سے دُھواں نکلتے دیکھا تو اس بے جا مداخلت پر انہیں غصّہ آگیا اور انہوں نے ایک خوفناک دیو کی شکل اختیار کرلی ۔ وہاں آئی اور شیو کو فوراً ہٹ جانے کا حکم دیا۔ شیو جی نے بڑی عاجزی سے ان سے رات بھر ٹھہرنے کی اجازت مانگی اور سویرے وہاں سے چلے جانے کا وعدہ کیا ۔ دیوی نے با دلِ ناخواستہ اس التجا کو قبول کرلیا اور پہاڑ کے اوپر اپنی قیام گاہ میں چلی گئیں ۔ لیکن رات ختم ہوتے ہوتے ان چوراسی ۸۴ سدھوں نے ۸۴ لنگوں LINGAS کی صورت اختیار کرلی کیونکہ شیو جی اس جگہ ٹھہرنے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے ۔ جس مقام پر ان ۸۴ سدھوں نے قیام کیا اور ۸۴ لنگوں کی صورت اختیار کر لی ، اسے چوراسی کہا جاتا ہے ۔ آج تک وہاں پر ۸۴ چھوٹے بڑے مندر موجود ہیں ۔

شیو جی نے برہمنی دیوی کو یہ فیض بخشا کہ جو لوگ منی مہیش تیرتھ کرنے جائیں ، انہیں برہمنی تالاب میں غوطہ لگانا ضروری ہے اس کے بغیر ان کی یاترا شیو جی کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگی ۔

چنبا کے تحریری نسب نامہ کے مطابق سب سے پہلے شہزادہ جستمبھہ کے والد مارو MARO نے اول اول یہاں قیام کیا ۔ یہ مذہبی خیال کے آدمی تھے اور ان کا تعلق اجودھیا کے راجاؤں کے خاندان سے تھا ۔ اپنی خاندانی ریاست کا انتظام اپنے بڑے لڑکے کے سپرد کرکے سکون قلب کی خاطر وہ ملک کے اس حصّہ میں آپہونچے ۔ جب وہ کھارٹھہ پہونچے تو دریائے راوی کے بائیں کنارے پر کھارٹھہ سے اوپر اولازے نامی جگہ پر لوگوں نے ان سے درخواست کی ، آپ اصل برامثور کو جو اس سے بہتر جگہ ہے ، اپنا مستقر بنائیں ۔ اس سلسلہ میں ایک اور قصہ بھی مشہور ہے ۔ وہ یہ کہ جستمبھہ راجپوتانہ کی کسی لامعلوم جگہ کے حکمراں کا بیٹا تھا جس نے اپنے باپ سے جھگڑا

کرلیا تھا۔اس لیے وہ حدود سلطنت سے نکالا گیا۔جستمبھ نے تارک الدنیا ہوکر زندگی بسر کرنے کا تہیہ کرلیا۔ایک پاکباز سنت کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی شاگردی قبول کی اور انہیں اپنا گرو بنالیا۔گرو نے انہیں ایک راجپوت کی شایان شان زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور اس علاقہ کی طرف جانے کی ہدایت کی جہاں وہ اپنی ریاست قائم کرسکیں۔جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھارمکھ پہونچا تو یہاں ایک دوسرے پاکباز سنت نے اُن کا خیر مقدم کیا۔یہ اگیا چاری رشی تھے، جن کو شیو جی نے خواب میں درشن دے کر ہدایت کی تھی کہ وہ دیوتا کے لباس ٹوپا، چولا اور ڈورا TOPA CHOLA DORA پیش کرکے راجکمار کا استقبال کریں بہرحال بموجب شجرہ چنبا CHAMBA VANSHARWAH وہ پہلا شہزادہ جس نے برامتور میں اپنی ریاست قائم کی مارو کا بیٹا جستمبھ تھا۔

برامئور کے راجاؤں کی تاریخ مارو سے لے کر ساہل ورمن تک جے ہٹکنس کی ہسٹری آف دی پنجاب ہل اسٹیٹ میں دی ہوئی ہے۔

چمبہ کے راجے سورج بنسی راجپوتوں کی نسل سے ہیں۔ان کا شجرۂ خاندان رامائن کے ہیرو وشنو یا نارائن رام سے شروع ہوتا ہے جو سلسلہ نسب کی ترسٹھویں پشت میں تھے۔یہ سلسلہ رام کے تیسرے بیٹے کُش کے ذریعہ چلتا رہا۔اس خاندان کا اصلی وطن اجودھیا بتایا جاتا ہے لیکن یہ بہت ہی بالائی وادی گنگا کے علاقہ میں چلے آئے اور بمقام کلپہ سکونت اختیار کرلی تھی۔اس نسب نامہ کی تاریخی حیثیت مارو کے نام سے شروع ہوتی ہے جو اس وقت افسرِ خاندان تھے۔اس میں ۶۹ نام ہیں۔جن میں موجودہ حکمراں کا نام بھی شامل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شروع میں مارو پر مذہب کا بہت غلبہ تھا اور ان کی زندگی تپسیا (زہد و تقویٰ TOPRS) کے لیے وقف تھی۔آگے چل کر انہوں نے

شادی کی اور ان کے تین لڑکے پیدا ہوئے۔ ان کے بالغ ہونے پر انہوں نے ہر ایک کو ایک ایک ریاست عطا کی۔ بڑے لڑکے کو اپنی آبائی ریاست میں چھوڑ دیا۔ اور بقیہ دونوں لڑکوں کو لے کر پنجاب میں سفر کرتے رہے۔ ان میں سے ایک کو کشمیر کے قرب و جوار کے پہاڑوں میں آباد کر دیا۔ چھوٹے بیٹے جستمبھ کے ساتھ بیرونی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے دریائے راوی کی وادی کے بالائی حصہ میں چلے آتے اور اس سرزمین کو ان چھوٹے چھوٹے معمولی راناؤں سے جو اس پر قابض تھے، چھین کر برہما پور شہر کی بنا ڈالی اور اسے اس نئی ریاست کی راجدھانی بنایا۔ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ہوا ہوگا۔

ابتداء میں ریاست کی وسعت بہت تھوڑی تھی اور قیاس غالب ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ موجودہ برامنور وزارت تک محدود تھی۔ یعنی دریائے راوی کی وادی کے اس حصہ تک تھی جو نشیبی بارہ بنگھل اور اس کی معاون ندیوں بدھل و تندھن سے لے کر چھتراری تک پھیلا ہوا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارو کی حکومت برائے نام ہی تھی۔ کیونکہ تاریخی روزناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست قائم کرکے انہوں نے اسے اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا اور کلپا KALPA واپس لوٹ کر پھر سادھو بن گئے۔

مارو کے بعد کئی راجاؤں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی، لیکن ان کے صرف نام ہی معلوم ہیں۔ ان کے نام جستمبھ، جلستمبھ، اور مہاستمبھ ہیں۔

آدتیہ ورمن ADITY VARMAN ۶۲۰ء عیسوی ــ اس شجرہ (میں آدتیہ ورمن کو آدی ورمن لکھا گیا ہے اور یہ نام ہمارے لیے) خاص دلچسپی کی چیز ہے، کیونکہ برامنور کے کتبات SCRIPTS ... میں دو

جگہ ان کو مارو ورمن MARO VARMAN کا جدِ امجد GREAT GRAND FATHER کہا گیا ہے۔ انہیں کے حکم سے یہ کتبات نقش کیے گئے تھے۔ اور چنبا کے راجاؤں میں انہیں کے پہلے پہل اپنے نام کے ساتھ ورمن کا لاحقہ لگایا تھا۔

مندرجہ ذیل فہرست برامئور و چنبا ریاستوں کے حکمرانوں کی ہے :۔

حکمرانوں کے نام	عہدِ حکومت
مارو ، بانی ریاست	زمانۂ حکومت معلوم نہیں
جستمبھ	
جلستمبھ	
مہاستمبھ	
آدتیہ ورمن	سنہ ۶۲۰ء
بالا ورمن	سنہ ۶۴۰ء
دیواکر ورمن	سنہ ۶۶۰ء
مارو ورمن	سنہ ۶۸۰ء
مندار ورمن	زمانۂ حکومت لا معلوم
کنتار ورمن	
پرگلبھ ورمن	
اجاں ورمن	سنہ ۷۶۰ء
سوورن ورمن	سنہ ۷۸۰ء
لکشمی ورمن	سنہ ۸۰۰ء
کشان ورمن	سنہ ۸۲۰ء

مہیش ورمن	کوئی مستند دستاویزی ثبوت دستیاب نہیں ہے۔
سارو ورمن	
سین ورمن	
سجن ورمن	
مرتنجے ورمن	
وگاکر ورمن	سنہ ۹۴۰ء
ودگدھ ورمن	سنہ ۹۶۰ء
رودکا ورمن	سنہ ۹۸۰ء
سال واہن ورمن	سنہ ۱۰۴۰ء
سوم ورمن	سنہ ۱۰۶۰ء
اے ستا ورمن	سنہ ۱۰۸۰ء
جست ورمن	سنہ ۱۱۰۵ء
دہل ورمن	سنہ ۱۱۱۸ء
اودے ورمن	سنہ ۱۱۲۰ء
للتا ورمن	سنہ ۱۱۴۳ء
وجے ورمن	سنہ ۱۱۷۵ء
ویراسی ورمن	سنہ ۱۳۳۰ء
مانکیہ ورمن	سنہ ۱۳۷۰ء
بھوٹ ورمن	سنہ ۱۳۹۷ء
سنگرام ورمن	سنہ ۱۴۰۲ء
آنند ورمن	سنہ ۱۴۷۵ء

گنیش ورمن	۱۵۱۲ء
پرتاپ ورمن	۱۵۵۹ء
ویر وشنو	۱۵۸۶ء
بال بھدر	۱۵۸۹ء
پرتھوی سنگھ	۱۶۴۱ء
چھتر سنگھ	۱۶۶۴ء
اودے سنگھ	۱۶۹۰ء
اوگار سنگھ	۱۷۲۰ء
دلیل سنگھ	۱۷۳۵ء
اُمید سنگھ	۱۷۴۸ء
راج سنگھ	۱۷۶۴ء
جیت سنگھ	۱۷۹۴ء
چڑہت سنگھ	۱۸۰۸ء
سری سنگھ	۱۸۴۴ء
گوپال سنگھ	۱۸۷۰ء
راجہ شام سنگھ	۱۸۷۳ء
بھوری سنگھ	۱۹۰۴ء

یکم نومبر ۱۹۲۱ء کو یہ ریاست براہِ راست حکومتِ ہند کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے زیرِ اقتدار چلی آئی۔

۸ ، دسمبر ۱۹۲۴ء کے دن ایک بیٹے ٹیکا لچھمن سنگھ ولی عہد کے پیدا ہونے سے اعلیٰ حضرت (راجہ) کو بیحد خوشی ہوئی۔

آزادی حاصل ہونے پر دیگر ریاستوں کے ساتھ ساتھ چنبا جمہوریہ ہند کا ایک اٹوٹ جزو بن گیا۔

نقلِ مکان

چنبا اور کانگڑا کے گزٹیر اور سٹلمنٹ رپورٹوں میں گدیوں کے ہجرت کرنے کی نہ تو صحیح تاریخ و سال دیا ہوا ہے نہ ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص مقام سے ترکِ وطن کر کے اپنے موجودہ وطن میں آئے۔ راجپوتانہ (موجودہ راجستھان) پنجاب اور ممالک (صوبہ جات) شمالی کے گزٹیر اس کی بابت کوئی ٹھوس ثبوت نہیں پیش کرتے۔ یہ کام تاریخ دانوں کا ہے کہ وہ اس معاملہ پر غور و خوض کریں اور صحیح باتوں کا پتہ لگائیں۔

جنرل کنگھم (GENERAL KANGHAM) کا خیال ہے کہ کولی قبیلہ کے لوگ بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس وقت بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے نام کولی، ہلی، سپی، میگھ، ڈیگی وغیرہ ہیں۔ مثلاً کلو کے ڈیگیوں کا دوسرا نام کولی ہے۔ ہندوستان کے دیگر قدیم باشندوں کی طرح یہ قبیلے بھی اسی غیر آریائی نسل کے ہوں گے۔ لیکن ان میں ایک دوسرے کے ساتھ شادیاں ہوئیں اور اونچی ذاتوں کے اپنے رتبہ سے گر جانے کی وجہ سے ان میں بہت بڑے پیمانے پر اتحاد و آمیزش ہوئی اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی شکل و شباہت اور دیگر خصوصیات میں بہت زیادہ تغیرات ہوئے، اور اسی وجہ سے ان میں زیادہ تر لوگوں کی صورتیں آریوں کی جیسی ہوگئیں اور ان میں ایسی بولیوں کا چلن عام ہوگیا جو آریائی نسل کی زبانوں سے

تعلق رکھتی ہیں ۔

پہاڑیوں کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بہت زمانہ بعد تک ان پر وہ قبیلے ہی آباد رہے جو اصل باشندے تھے ۔ بعد میں نو آباد قبائل نے ان پر حملے کیے اور انہیں وہاں سے بھگا دیا ہی نہیں بلکہ فوجی مہمات سے بھی انہیں مغلوب کیا ۔ یہ کارروائی بہت کچھ اس طرح ہوئی ہوگی جس طرح انگلینڈ نے پہلے پہل آئرلینڈ پر حملہ کرکے اسے مغلوب کر لیا تھا ۔ ان پہاڑوں پر جو چند خاص باتیں دیکھنے میں آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ یہاں پر کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قایم ہیں ۔ وہاں ان کا سردار بلاشرکت غیرے حکمرانی کرتا ہے ۔ ان میں جیٹھائی یعنی باپ کی جانشینی کے لیے بڑے بیٹے کے انتخاب کا دستور رہی مروج ہے اور راجپوت و برہمن وغیرہ ہل چلانے اور کھیتی باڑی کے کام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ اس کی توجیہہ یوں کی جا سکتی ہے کہ یہ سب نتیجہ ہے فتمند حملآوروں کے ان فوجی اصول وضوابط کا جن پر انہیں محکوم جماعت پر حاوی رہنے کے لیے اپنے معاشرے کی بقا کے لیے عمل کرنا ضروری تھا ۔

پروفیسر آر ڈیوڈس (R . DAVIDS) نے ان کے آگے بڑھنے کی تین سمتیں قرار دی ہیں ۔ ایک تو کشمیر سے پورب کی طرف ہمالیہ کی ترائی میں ۔ پہاڑی قوم ہونے کی وجہ سے آریوں کا رجحان طبع پہاڑیوں سے سٹے رہنے کی طرف تھا اور سنسکرت کی ادبی کتابوں میں ہمیں اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ میں وہ ہمالیہ کے مغربی حصے میں ، غالباً " رگ وید " کے بھجنوں کی تدوین سے پہلے موجود تھے ۔ لہذا ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ریاست چنبا کی آریہ آبادی کے قدیم ترین طبقوں کی اصل و نسب بہت پرانی ہے ۔

ان کی ہجرت کے متعلق قبائلیوں نیز مؤرخوں کے درمیان متعدد نظریے رائج ہیں ۔ گدی کھتریوں اور راجپوتوں کا خیال ہے کہ ان کے اسلاف پرتھوی سنگھ کے

زمانہ میں اورنگ زیب کے مظالم سے بچنے کے لیے لاہور سے بھاگ کر یہاں چلے آئے تھے، جبکہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے آبا و اجداد راجستھان اور دہلی سے آئے تھے۔

جب اس کی نسبت میں نے موضع براہمور کے پرانے گدی برہمنوں سے پوچھا تو انہوں نے ایک دوسری ہی بات بتائی۔ انہوں نے وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ ان کے اسلاف بنگال سے آئے تھے لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ وہ لوگ کس وجہ سے اور کب بنگال سے ہماچل پردیش میں آئے۔ بہرکیف چند برہمن گدیوں نے بتایا کہ وہ راجہ اجے ورمن کے عہد حکومت میں دہلی سے یہاں آئے تھے۔

، ہچسن جے اپنی کتاب " پنجاب کی کوہستانی ریاستوں کی تاریخ" (HISTORY OF THE HILL STATES OF THE PUNJAB) صفحہ ۲۷۳ میں یوں رقم طراز ہیں :-

" اس بات کا امکان ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ پجاریوں اور یاتریوں کی شکل میں اوّل اوّل یہاں آئے ہوں ان کی تہذیبی و مذہبی زندگی کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد مجھے مندرجہ ذیل باتیں قرینِ قیاس محسوس ہوتی ہیں :-

۱۔ گدی راجپوت پنجاب (لاہور) سے نقل وطن کرکے آئے ہیں۔

۲۔ گدی راجپوتوں کا ایک فرقہ راجستھان سے ہجرت کرکے اس علاقہ میں آیا۔

۳۔ گدی برہمنوں کی اکثریت دہلی سے آئی۔

۴۔ کچھ گدی براہِ راست وسط ایشیا سے آئے ہوں گے۔

۵۔ ان کا ایک طبقہ جو اصل باشندہ ہے، غالباً یہ لوگ شاگرد پیشہ تھے جو دراوڑ (DRAVADIANS) کہلاتے تھے اور گذرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے حملہ آوروں کے طور طریقے اور ان کا مذہب اختیار کرلیا۔

(دیکھو ویدک انڈیا از رنگوزن، زینائڈ، اے (RANGOZIN, ZENA-

A. 1978 - صفحہ ۲۸۵ - ۲۹۵)

۱۱ کچھ گدی اتر پردیش، بنگال و دیگر ریاستوں سے آئے ہوں گے کیوں کہ ان کی تہذیبی حالت ان ریاستوں کے باشندوں کی تہذیب سے ملتی جلتی ہے۔

گدیوں کے نقل وطن کرکے اپنی موجودہ بستیوں میں چلے آنے کی تاریخی اساس و بنیاد کی نسبت سرکاری کاغذات میں وہی باتیں دہرائی گئی ہیں جنہیں میں نے اپنے تحقیقی کام اور ہماچل پردیش میں گدی قبیلہ کے سروے کے دوران گدیوں کی زبانی سُنا۔

مصنف ہذا نے ۱۹۶۶-۶۷ء میں موضع براہمَور کے معاشرتی و اقتصادی حالات کا سروے کیا تھا۔ اس کی نمایاں خصوصیات کا نقشہ مختصراً مندرجہ ذیل ہے:۔

جدول نمبر ۱

جن خاندانوں کا جائزہ لیا گیا:۔

خاندانوں کی مجموعی تعداد	۱۱۲
جن خاندانوں کا جائزہ لیا گیا ان کے افراد کی تعداد	۵۱۸
اوسط آمدنی	۹۹ء۱۰ روپے

جدول نمبر ۲

تناسب آبادی:۔

ذات	فیصد
برہمن	۲۵
راجپوت	۴۸
سپتی	۲۳
ریہرا	۴

جدول ۴

اخراجات :-

خوراک	٦٢ فیصد
لباس و پوشاک	٢٥ فیصد
تعلیم	١ فیصد
متفرقات ..	١٢ فیصد

خواندگی یا حرف شناسی :-

ناخواندگی	٧٠ فیصد
خواندگی	٣٠ فیصد

مندرجہ بالا جداول سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ براہمنور ایک اوسط درجہ کا پہاڑی موضع ہے جس میں راجپوتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور گدی اقوام میں ریہڑے (REHRAS) اقلیت میں ہیں ۔ یہ لوگ کھانے پینے میں سب سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور تعلیم پر کچھ نہیں ۔

قبائلیوں کے رسم ورواج

شادی بیاہ

قبائلیوں کے لیے شادی ایک فرض ہے ۔ موضع گرولا کے ایک گدی کا قول ہے کہ غیر شادی شدہ شخص کتے کی موت مرے گا ۔ گدیوں میں یک زوجی کا رواج ہے ۔ بلا لحاظ ذات و فرقہ ان میں مندرجہ ذیل قسم کی شادیاں مروج ہیں۔

اس معاملہ میں لڑکے لڑکی سے کوئی صلاح و مشورہ نہیں کیا جاتا، شادی ان کے والدین یا سرپرست طے کرتے ہیں :۔

۱۔ بیاہ (دھرم، پُن)۔ باقاعدہ منگنی یا سگائی کی رسم لڑکے لڑکی کے والدین کی باہمی رضامندی سے انجام پاتی ہے۔ سگائی کو پختہ کرنے کے لیے فریقین کے درمیان گفت و شنید ہوتی ہے اور کنیا دان وغیرہ کی حسب معمول رسمیں شادی کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔ گدیوں کے علاقہ میں اس قسم کی شادی بہت ہی کم ہوتی ہے۔

۲۔ بٹہ سٹہ یا ادلا بدلا ـــ اس قسم کی شادی میں لڑکے کو اپنی بہن یا بھائی کے بدلہ میں بیوی ملتی ہے۔ گدیوں میں اس قسم کی شادی مقبول عام ہے۔

۳۔ گدُنی ـــ یہ کسی بیوہ کی دوبارہ شادی ہے۔ اس میں بیوہ عورت کی شادی اس کے متوفیٰ شوہر کے کسی بھائی سے ہوتی ہے۔ برہمنوں کے سوا سب ذاتوں کے لوگوں میں اس کی اجازت ہے۔ لیکن یہ رواج اب ختم ہوتا جارہا ہے اور اس بیوہ کو اپنے مرحوم شوہر کے خاندان کے باہر دوسرا شوہر قبول کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

۴۔ کُماش یا گھر جونتری (KUMASH OR GHAR—JAWANTRI) ـــ گدیوں میں اس طرح کی شادی کا عام رواج تھا۔ اس میں لڑکے کو اپنے سُسر کے گھر کا کام کرنا ہوتا ہے۔ عموماً یہ مدت سات سال تک کی ہوتی ہے۔ حالانکہ اب یہ رواج ختم ہوتا جارہا ہے تاہم اس کی بعض مثالیں دُور افتادہ علاقوں میں مل جاتی ہیں۔

۵۔ کھیوٹ (KHEWAT) ـــ ہماچل پردیش میں اس قسم کی شادی ریت یا لاگ (REET OR LOG) کہلاتی ہے۔ اس رواج کے مطابق عورت کو

دُوسرا شوہر اختیار کرلینے کی اجازت ہے بشرطیکہ یہ نوپسندیدہ شوہر اس کے پہلے شوہر کو وہ رقم ادا کردے جو اس نے اپنی شادی میں خرچ کی تھی۔ اس میں پہلے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔

۶۔ بریانہ ـــ اس قسم کی شادی میں لڑکی حاصل کرنے کے لیے نقد رقم دینی ہوتی ہے۔ یہ رقم آپس میں طے کرلی جاتی ہے۔ ادائیگی بصورت جنس پسند نہیں کی جاتی۔

۷۔ ظروف شادی (MARRIAGE BARTANS) ـــ عموماً مصارف شادی متعلقہ خاندانوں کی اقتصادی حالت اور ذریعہ معاش کے متناسب ہوتے ہیں۔ لیکن ایک دو ایسے طریقے ہیں جن کے ذریعہ ان خاندان والوں کو اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے وقتی طور پر کچھ مدد مل جاتی ہے۔ ان رسومات میں سب سے زیادہ اہم رسم تنبولؔ کی ہے۔ یہ تمام گدیوں میں رائج ہے۔ نوشہ یا اس کے والدین کو ان کے دوست احباب یا رشتہ داران کچھ رقم دیتے ہیں۔ جس کے عوض ان کے خاندان میں کسی شادی کے موقعہ پر ایسا تحفہ دیا جاتا ہے جس کی قیمت عموماً بقدر ایک روپیہ زیادہ ہوتی ہے۔ ایک دوسری رسم ساجؔ (SAJ) بھی بالعموم پائی جاتی ہے۔ جس میں بجائے نقد رقم کے ہدایا و تحائف دیے جاتے ہیں۔ یہ تحفہ جات پوشاکوں، چند زیورات اور کھانا پکانے کے برتنوں کی صورت میں دلہن یا اس کے والدین کو دیئے جاتے ہیں اور ان پر بھی تنبول جیسی شرائط عائد ہوتی ہیں۔

ایک تیسری رسم ہوتی ہے جو چڈؔ (CHAD) کہلاتی ہے۔ یہ ایک قسم کا قرض ہوتا ہے۔ جو نقد و جنس کی شکل میں دلہن کو دیا جاتا ہے۔ اجناس میں گھی، آٹا اور وہ دیگر اشیا ہوتی ہیں۔ جو شادی کے موقع پر لوگوں کی ضیافت کرنے میں کام آتی ہیں۔ اس میں بھی اسی طرح کا واپسی تحفہ دینا لازمی ہوتا ہے۔ چڈ (CHAD)

کی بازیافت کے لیے مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن تنبول (TAMBOL) اور سج (SAJ) کے لیے نہیں۔

رسوم شادی

ساری برادریوں کی رسومات ایک جیسی ہیں۔ لیکن ریہرے (REHRAS) اور سپی (SIPIS) زنّار گیری (TAKING SACRED THREAD) کی رسم ادا نہیں کرتے۔ شادی کا اہتمام کرنے کے لیے ہر فرقہ والوں کے پروہت ہوتے ہیں۔ یہ پروہت لازمی طور پر برہمن ہوتا ہے لیکن وہ سپیوں (SIPIS) اور ریہروں (REHRAS) کا پکایا ہوا کھانا نہیں کھاتا ہے۔ شادی ایک ہی ذات لیکن مختلف گوتروں (GOTRAS) کے لوگوں میں طے کی جاتی ہے حالانکہ بین الگوتری (INTER GOTRA) شادی کرنے میں بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا بشرطیکہ فریقین کے درمیان کوئی رشتہ نہ ہو۔ شادیاں توعموماً پانچ سات میل ہی کے حلقہ کے اندر والے لوگوں کے درمیان کی جاتی ہیں، لیکن بعض اوقات یہ جال دور دراز بھی پھینکا جاتا ہے۔

شادی کے لیے لڑکے کی عمر اوسط ۱۶ سے ۲۵ سال اور لڑکی کی ۱۲ سے ۱۸ سال ہوتی ہے۔

سگائی ہوجانے کے بعد ایک مبارک دن مقرر ہوتا ہے جب لڑکے کے گھر سے چند آدمی شادی کے لیے مناسب تاریخ طے کرنے کے لیے ایک سیر گھی لے کر لڑکی کے والدین کے پاس جاتے ہیں۔ اگر وہ تاریخ مجوزہ منظور کر لیتے ہیں تو دونوں طرف سے قاصد پروہت کی رائے لینے جاتے ہیں۔ اب پروہت شادی کا مفصل پروگرام لکھ دیتا ہے۔ اس کو لیکھا پتری (LEKHA PATRI) کہتے ہیں۔ اس کے

لیے وہ پروہت کو کچھ نقد، چاول اور قدرے سُرخ دھاگہ دیتے ہیں جو مولی (MOULI) کہلاتی ہے۔

شادی تقریب سمہورت سے شروع ہوتی ہے جس میں گنپتی، مٹی کی ٹھلیا اور نوسیاروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ لڑکے کے بدن پر پسی ہوئی ہلدی جو کے آٹے اور سرسوں کے تیل میں ملاکر لگائی جاتی ہے جسے بٹنا کہتے ہیں اور جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بدن صاف ہوجائے۔ ساتھ ہی اُسے نظر بد سے بچانے کے لیے اس کی دائیں کلائی پر تین کالے اُونی دھاگے باندھ دیے جاتے ہیں۔ تب اس کی ماں نہلانے کے لیے اسے آنگن میں لے جاتی ہے۔ نہانے کے وقت یہ دھاگے کھول کر پھینک دیے جاتے ہیں اور ماں اس کو واپس لے جاتی ہے۔

بعدازاں پروہت لڑکے کی داہنی کلائی پر نو سُرخ سوتی دھاگے باندھ کر اسے تھوڑا سا گُڑ چکھنے کو دیتا ہے۔ گنپتی، برمھا، وشنو، دیوتاؤں، کنبہ اور نوگرہ (NINE PLANETS) کی دوبارہ پوجا کی جاتی ہے اور ایک بکرا بلیدان (قربان) کیا جاتا ہے۔ ریہرا (REHRA) ذات کا ایک آدمی اس بکرے کے خون کو سیندوری (SANDORI) اور منجمالا (MUNJMALA) پر چھڑکتا ہے۔ اس کے لیے اسے ۱۲۵ روپیہ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دولہا جوگی کا بھیس بدل لیتا ہے۔ وہ دھوتی پہن کر کانوں میں گندھے ہوئے آٹے کے مندرے (MUNDRAS) پہنے کاندھے پر ایک تھیلا لٹکا لیتا ہے۔ اس کی کمر میں سیاہ اون کی ڈوری بندھی رہتی ہے۔ اس کی پیٹھ ہرن کی کھال (MIRGSHALA) سے ڈھکی ہوتی ہے۔ وہ داہنے انگوٹھے پر جنیو پہنے اور کالی ڈوری نے ایک فننی (FANANI) لٹکائے رہتا ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ایک چھڑی ہوتی ہے۔ تب پروہت اس سے پوچھتا ہے کہ وہ جوگی کیوں ہوگیا تو وہ جواب دیتا ہے کہ "جنیو حاصل کرنے کے لیے" پروہت پھر اس سے

پوچھتا ہے کہ اسے کس قسم کی ڈوری (بندھن) کی ضرورت ہے، تانبے، پیتل، سونے، چاندی یا سوت کی؟ تو لڑکا استدعا کرتا ہے اسے کم قیمت سُوت والی ڈوری چاہیے۔

تب پروہت اسے ہدایت کرتا ہے کہ وہ بدری ناتھ، ترلوکنا تھ، منی مہیش میں غسل کرنے جائے تاکہ پاک ہو جائے۔ تین مختلف برتنوں میں رکھے ہوئے پانی میں اپنے ہاتھوں پیروں کو ڈبو کر لڑکا ان تینوں طرح کے غسل کر لیتا ہے۔

اس کے بعد وہ خیرات مانگتا ہے۔ پہلے اپنے رشتہ داروں سے پھر اور لوگوں سے جو اس کے ہاتھ میں ایک ٹکڑا روٹی رکھ دیتے ہیں اور اسے بکری و مویشی دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس رسم کے انجام پا لینے کے بعد پروہت دولہے سے پوچھتا ہے کہ وہ اپنی زندگی جاترا (YATRA) کے کاموں کے لیے وقف کرنا چاہتا ہے یا ماترا کے لیے لڑکا ہمیشہ جاترا کا انتخاب کرتا ہے۔ اس کے بعد جوگی کا لباس اُتار پھینکتا ہے کیونکہ اب اس نے یہ طے کر لیا ہے کہ وہ گرہست کی زندگی گذارے گا۔

اب دولھا بید کی چٹائی یا بھیڑ کی کھال کے تھیلے (کھلرا KHALRA) پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کے سر کے اوپر لگے منجالا سے ایک کٹار چھوائی جاتی ہے۔ اس وقت لڑکے کے سب سے قریبی اعزہ اور ان کے بعد دوسرے لوگ اپنی اپنی باری میں اسے تحائف دیتے ہیں اور اس کے سر پر گھاس اور تیل کی بوندیں چھڑکتے ہیں۔ وہ اس کی پیشانی پر تھوڑا سا سیندور بھی مل دیتے ہیں۔ یہ تیل اور سیندور ایک بڑے پیالے میں بھر دیتے ہیں جو دولھا کے چچا کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ یہ تیل کی رسم کہلاتی ہے۔ نہا لینے کے بعد دولھا سفید پگڑی، قبا اور ایک لُنچا (LUNCHA) جسے خاص طور سے شادی کے موقعہ پر بنوایا جاتا ہے، پہنتا ہے۔ ایک سفید پٹکا (PATKA) مہندی (MEHANDI) اور سپاری (SUPARI) وغیرہ ہوتی ہے۔ آج کل خوش حال خاندانوں کے لوگ اس میں نیل پالش، کریم (CREAM) اور

پاؤڈر (PONDER) کا بھی اضافہ کردیتے ہیں ۔اس کے ساتھ ایک ٹنہری (LANCHRIN) گھگرو (GHAGRU) ، ہمودری (HAMODRI) ، آنگی (ANGI) ، چنڈی (CHANDI) اور کنگھی ، تین ٹکڑے گڑ ، قدرے خشک میوے ، چاول اور سات لوچیاں رہتی ہیں ۔

شمالی ہند کی دوسری قوموں کی طرح گدی جماعت کا دولہا بھی اپنے ماموں کا دیا ہوا ایک سہرا (SEHRA) باندھتا ہے ۔ بھابی اس کی آنکھوں میں کاجل لگا دیتی ہے ۔اس کے بعد وہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ایک تھالی میں جلتا ہوا مٹی کا چراغ رکھ کر اسے اس کے سر کے اُوپر گھمایا جاتا ہے ۔ یہ آرتی (ARTI) کہلاتی ہے ۔اس کی ماں اس کے تین طرف تین چپاتیاں پھینک دیتی ہے ۔ تب آرتی کو منتر پڑھ پڑھ کر پاک و متبرک کیا جاتا ہے ۔ لڑکے کا باپ اسے ۱۲۵ روپیہ کا تنبول دے کر اس کی عزت افزائی کرتا ہے ۔ اس میں سے روپیہ تو لڑکا خود رکھ لیتا ہے اور ۲۵ پیسہ پروہت کو مل جاتے ہیں ۔ اپنی ماں ، پروہت اور دیگر عورتوں کے ساتھ وہ گھر کے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور تورنوں (TORANS) کے زیر سایہ کھڑا ہوجاتا ہے ۔ جہاں منتر پڑھے جاتے ہیں اور دوبارہ اس کی آرتی اُتاری جاتی ہے ۔ تورن (TORANS) (یہ زرد سُرخ رنگوں سے رنگی ہوئی پتلی پتلی بلیاں ہوتی ہیں) مکان کے دروازے پر نصب کیے جاتے ہیں جہاں پر رسوم شادی انجام پاتی ہیں ۔سپتی ذات کا ایک آدمی دروازے کے باہر کھڑا رہتا ہے ۔ وہ پانی بھرا ہوا ایک گھڑا (KUMBH) نوشہ کو پیش کرتا ہے اور وہ اس میں ایک سکہ ڈال دیتا ہے ۔ اس کے بعد لڑکا پالکی میں سوار ہوجاتا ہے ۔

اس کے بعد برات روانہ ہوتی ہے ۔ اس میں نوشہ کے دوست احباب عورت مرد رشتہ داران اپنے بہترین لباسوں میں ملبوس شامل ہوتے ہیں ۔ان کے آگے آگے مقامی گویئے رہتے ہیں ۔ دولہے کے رشتہ داروں کے سر پر سفید پگڑی

ہوتی ہے۔ انہیں دیگر براتیوں سے الگ کرنے کے لیے اس پگڑی کی ایک طرف سُنہرا فیتہ باندھ دیا جاتا ہے۔

دُلہن کے گھر پہونچنے پر انہیں ایک علٰحدہ مکان میں ٹھہرایا جاتا ہے جو اس کام کے لیے منتخب ہوتا ہے۔ لڑکے کے باپ اور چچا دو ایک اور آدمیوں کے ساتھ لوچیوں (LUCHIS) سے بھرا ایک ٹوکرا دلہن کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہ پت پرتنا (PAT PARTANA) کہلاتا ہے۔

لڑکی کے گھر پر انہیں کچھ کھانے کو دیا جاتا ہے۔ اس کے بدلہ میں یہ لوگ اس طشتری میں پانچ آنے پیسے رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ آکر دوسرے براتیوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ جُھٹپئی (JUTH PAI) کی رسم کہلاتی ہے۔

اس کے بعد پروہت سُہاگ پتری یا برسوئی (SUHAGRATRI OR BARASOI) دینے کے لیے دُلہن کے گھر جاتا ہے۔ پھر واپس آکر وہ نوشہ کو اس کے ساتھیوں اور گوتوں کے ساتھ دلہن کے گھر لے جاتا ہے۔ دروازے پر دولہا کی ساس خیر مقدم کرتی ہے۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کو اس کی پگڑی کے اُوپر اٹھاتے ہوئے دا ہنے ہاتھ سے اس کے سر پر سات بار آرتی گھما کر اس کی آرتی اُتارتی ہے۔ ایک تھالی میں رکھی ہوئی تین چپاتیاں بھی آنگن کے باہر کی طرف پھینک دی جاتی ہے۔ اب ساس تو وہاں سے چلی جاتی ہے لیکن سسر گلے میں پٹکا (PATKA) ڈالے کنارے کھڑا رہ کر داماد کے پیر دھوتا ہے۔ لڑکے کا پروہت اس کے ہاتھوں میں ایک دونا (DUNA) رکھ دیتا ہے جس میں تھوڑا چاول، ایک اخروٹ، دوب (DOOB) اور پھول بھرے ہوتے ہیں۔

بعد ازیں لڑکا اپنے سسر کے پیچھے پیچھے بیدی (BADI) تک لے جاتا ہے جہاں پروہت وید منتر پڑھتا ہے۔ تب دلہن وہاں پر دُلہے کے آمنے سامنے

کھڑی کی جاتی ہے۔ لڑکے کا پروہت اپنے داہنے ہاتھ سے لڑکے کا اور بائیں ہاتھ سے لڑکی کا کاندھا پکڑ کر ایک دوسرے سے چھواتا ہے۔ تین بار اس طرح کر لڑکے کا داہنا کاندھا لڑکی کے بائیں کاندھے کو چھو جاتے۔ اسے چان پرچانی (CHANPARCHA) کی رسم کہتے ہیں۔

ان کے آس پاس دو مشعلیں جلتی رہتی ہیں اور لڑکی کے ہاتھوں میں سات ٹہنیاں رکھ دی جاتی ہیں۔ وہ انہیں لڑکے کے ہاتھوں میں ڈال دیتی ہے اور وہ ان ٹہنیوں کو اپنے داہنے پیر سے کچل ڈالتا ہے۔ ٹہنیوں کو اس طرح توڑ ڈالنے کی رسم چیری (CHIRI) کہلاتی ہے۔

اس کے بعد لڑکے لڑکی کو بٹھا دیا جاتا ہے اور لڑکے کا سسر شنکلپ (SHANKALAP) کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ لڑکی داماد کو دے دیتا ہے۔ تب وہ ان دونوں کے پیر دھوتا ہے جب کہ وہ اس کے سامنے بیٹھے ہی رہتے ہیں۔ چند معمولی رسمیں جنہیں آج کل دولہا اور اس کے سسر ادا کرتے ہیں چچڑی (CHICHARI) کہلاتی ہیں۔ گنپتی، برہما، وشنو، کنپھ دیا (KONPH DIA) اور نوگرہ (NINE PLANETS) کی پوجا کی جاتی ہے۔

اس کے بعد لڑکی کا بھائی اس کا دوپٹہ پکڑتا ہے اور نوشہ اس پر تھوڑا سا سیندور لگا دیتا ہے۔ اس طرح لڑکی بھی لڑکے کے ٹیکے پر مل دیتی ہے۔ لڑکی اپنا ہاتھ پھیلا دیتی ہے اور پروہت اس میں ایک آنہ پیسہ، ایک اخروٹ، دوب، پھول، تل اور چاول رکھ دیتا ہے۔ اب لڑکا لڑکی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے کنیا دان ہوتا ہے اور منتر پڑھے جاتے رہتے ہیں۔ اس رسم کے انجام ہو جانے پر لڑکی کے ہاتھ کی چیزیں پروہت کو دے دی جاتی ہیں۔ اور دُلہا دُلہن گھی گڑ سے منہ جوٹھا کرتے ہیں۔

اب لڑکی وہاں سے چلی جاتی ہے لیکن (MANIHAR) کی رسمیں ادا کرنے کے لیے لڑکا وہیں رُکا رہتا ہے۔ اس کی آرتی اُتاری جاتی ہے اس کے بائیں پیر کے پاس ایک سُپاری اور ایک لال فیتہ رکھ دیا جاتا ہے جن کو وہ اپنے خنجر سے چھو دیتا ہے۔ یہ ہو جانے کے بعد پروہت فیتے کو اٹھا کر اس کے ایک سرے کو لڑکے کے سر کے اُوپر سے اس کی ساس کے پاس پھینک دیتا ہے اور دوسرے کو نوشہ کی پگڑی کے چاروں طرف لپیٹ دیتا ہے۔ یہ فیتہ منیہار (MANIHAR) کہلاتی ہے۔

تب لڑکے کو اس کی ساس منیہار پکڑ کر گھر کے اندر کامدیو (KAMDEO) عشق کے دیوتا کی تصویر کے سامنے لے جاتی ہے جو ایک کمرے میں لگی رہتی ہے۔ لڑکی کا بھائی لڑکی کو بھی لا کر لڑکے کی بغل میں کھڑی کر دیتا ہے۔ لڑکی وہی کپڑے پہنے رہتی ہے جن کو اس کی ساس وغیرہ نے سہاگ پٹاری میں رکھ دیا ہو۔ تب لڑکی کی ممانی برسوی (BARSAVHI) کی سات ڈوریاں لڑکے کے ہاتھ میں تھما دیتی ہے۔ وہ انہیں لڑکی کے سر پر رکھ دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ممانی لڑکی کے کنگھی چوٹی کرتی ہے اور اس کے بالوں کو گوندھ کر درست کر دیتی ہے۔ یہ رسم سرگندھی کی رسم کہلاتی ہے۔ لڑکا لڑکی کی مانگ میں سیندور ڈال دیتا ہے۔ یہ مانگ بھرائی کہلاتی ہے۔

لڑکے کی شال لڑکی کے دوپٹے کے ساتھ باندھ دی جاتی ہے اور اس کا ماموں اسے بیدی (BEDI) پر لے جاتا ہے۔ لڑکا اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ لڑکی کا باپ دونوں کے پیر دھوتا ہے اور ہر طرح کی آفت و مصیبت کے دفعیہ کے لیے ہَوَن (HAWAN) کرکے گنپتی، دُرگا، برہما، وشنو، کُنبھ (KUNBH)، سپت رشیوں، ویدوں اور چاروں سمتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک چھاج (CHAJ) میں بھنا ہوا جَو رکھ دیا جاتا ہے۔

اب لڑکے لڑکی کے باپ بیدی کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں اور پروہت لڑکی کے باپ کے ہاتھ میں دوب (DOOB) کی ایک پھلی رکھ دیتا ہے۔ وہ اس کا ایک سرا اپنی بیچ کی انگلی کے درمیان پکڑلیتا ہے اور دوسرے سرے کو اسی طرح لڑکے کا باپ پکڑتا ہے۔ تب لڑکی کا باپ جس کے ہاتھ میں دوب کا سرا ہوتا ہے یہ الفاظ منہ سے بولتا ہے۔" اسمت کنّیا تسمت گوتر (ASMAT KANYA TUSMAT GOTRA) (اب ہماری لڑکی آپ کے گوتر میں جارہی ہے)" اس رسم کے انجام پا جانے کے بعد لڑکا اپنی ساس سے رُبر (RUBBAR) حاصل کرتا ہے۔ وہ اسے ایک روپیہ اور ۲۵ پیسے دیتی ہے اور لوگ صرف تانبے کے سکّے دیتے ہیں۔ احتراماً لڑکا اپنی ساس کے پیر چھوتا ہے۔ دلہن کے گھر پر یہ رسومات انجام پا جانے کے بعد اس کو پالکی میں بٹھاکر دیگر لوازمات کے ساتھ لے جایا جاتا ہے۔ پیچھے پیچھے دُلہا اور براتی جاتے ہیں۔ اب برات میں لڑکی کی طرف کی کچھ لڑکیاں شامل ہوجاتی ہیں اور اس کا بھائی بھی۔ گھر لوٹ آنے پر دوبارہ لڑکے کی ماں ان دونوں کے سر پر آرتی کرتی ہے اور دلہن کو ایک روپیہ دیتی ہے۔ تب اس جوڑے کو گنپتی پوجن (POOJAN) کے لیے دوسرے کمرے میں لے جایا جاتا ہے۔

اس کمرے میں رکھے ہوئے چار مٹی کے دِیوں (LAMPS) اور کنبھ (KUMBH) کا دونوں چار بار طواف کرتے ہیں۔ یہ اتھلئی (ATHLAI) کی رسم کہلاتی ہے۔

اس کے بعد پروہت سہرا اُتارتا دیتا ہے۔ اتھلئی (ATHLAI) ہوجانے کے بعد دو آدمی جو اس کام کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں دُلہے کا کنگن کھول دیتے ہیں۔ بعدازاں لڑکے کے رشتہ دار اور برادری کے لوگ اسے تنبول (TAMBOL) دیتے ہیں۔ رونمائی کے لیے عورتیں دلہن کو گھیر لیتی ہیں۔ یہ اسے باری باری سے دیکھتی ہیں اور نقد کی صورت میں اسے کچھ تحفے تحائف بھی دیتی ہیں۔ اس کو

منشی (MUNSHANI) کہا جاتا ہے۔

ایک دو روز یہاں رکنے کے بعد کی مبارک ساعت پر دونوں دلہن کے گھر کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ دلہے کا بھائی اور دلہن کے گھر کی وہ عورتیں ہوتی ہیں جو واپسی کے وقت برات کے ساتھ آئی ہوئی تھیں۔

یہ جماعت یہاں ایک دن ٹھہرتی ہے۔ انہیں بہترین کھانا کھلایا جاتا ہے۔ گنیش اور نوگرہ کی پوجا کرکے وہ نوشہ کے گھر لوٹ جاتے ہیں۔ واپسی کے وقت انہیں لڑکی کے والدین تحفے پیش کرتے ہیں۔ ان تحائف میں دو گردو (GARDUS) اور گیہوں کے آٹے کی لوچیاں (پوریاں) رہتی ہیں۔ یہ ہرپھیرا (HARPHERA) کی رسم کہلاتی ہے۔ اس رسم کو صرف برہمن اور دولت مندی کھتری اور راجپوت ہی انجام دیتے ہیں۔

بعض اوقات دلہن اپنے شوہر کے ساتھ سسرال نہیں آتی بلکہ ایک دو سال تک اپنے والدین ہی کے پاس رہ جاتی ہے۔ یہ مدت پانچ سال تک بھی بڑھائی جاسکتی ہے۔ تب ایک مبارک دن کو دُلہا اپنے دوتین بہت نزدیکی رشتہ داروں کے ہمراہ اپنی سسرال کے لیے روانہ ہوتا ہے جہاں وہ دو روز قیام کرتے ہیں۔ اس وقت گھر کی نوجوان لڑکیاں آکر انہیں گھیر لیتی ہیں اور مہمانوں سے ہنسی مذاق کرتی ہیں۔ آپس میں اس قسم کا ہنسی مذاق کا ہونا گالی لگائی کہلاتا ہے۔ یہاں لڑکی کے ماں باپ کیطرف سے گیہوں کے آٹے کی ببروس (BABROOS) اور مندرجہ ذیل چیزیں دی جاتی ہیں :-

۱- چولو — ۲
۲- لوانچری — ۲
۳- گلشد — ۱۰ سے ۱۵ تک
۴- گردو — ۴ سے ۶ تک
۵- چادریں — ۱

وراثت

گدیوں میں ایک عجیب طرح کا رواج ہے کہ اگر کوئی بیوہ عورت اپنے متوفی شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے کسی دوسرے شخص سے بے تکلف ہوکر کوئی بچہ جنتی ہے تو وہ لڑکا یا لڑکی مرحوم باپ کی اولاد سمجھی جاتی ہے۔ گدیوں کی زبان میں ایسی اولاد کو "ہلد (HALLAD)" یا "چکندو (CHAKANDU)" کہتے ہیں۔

موضع براہمور میں ایک عورت ڈھکری نے اپنے شوہر کی وفات کے دو سال بعد ایک لڑکے کو جنم دیا۔ چونکہ وہ اپنے شوہر مرحوم کے گھر میں رہتی چلی آرہی تھی اس لیے اس لڑکے کو گوروبا (GORUBA)، ڈھکری کے شوہر متوفیٰ کی حیثیت عطا کی گئی، لوگ اسے گوروبا کا لڑکا کہتے ہیں۔

دراصل لفظ "چکندو" کے معنی ہیں ایسا بچہ جو گھر کی چہار دیواری کے اندر پیدا ہوا ہو جب کہ اس کی ماں کسی دوسرے شخص کے ساتھ خفیہ طور پر بے تکلف ہوگئی ہو، اس میں اس کو اپنے شوہر مرحوم کے قریبی بھائیوں یا یک جدی رشتہ داروں کو ترجیح دینا چاہیے۔ پھر بھی اسے آزادی حاصل ہے بشرطیکہ وہ متوفیٰ کے گھر میں سکونت گزیں رہے۔

گدیوں کا اپنا مخصوص طریق وراثت ہے جو ہندوؤں کے موجودہ قانون توارث (HINDU SUCCESSION ACT) سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس میں وراثت کے دو طریقے ہیں:-

۱۔ منڈا بند (MUNDABAND)

۲۔ چنڈا بند (CHUNDABAND)

منڈا (MUNDA) کے معنی ہیں لڑکا۔ اگر باپ کی ایک بیوی ہے تو اس کی جائداد اس کے لڑکوں کے درمیان برابر حصوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ اس کو وہ منڈا بند کہتے ہیں۔

چنڈا کا تعلق عورت سے ہے۔ اگر باپ ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑ کر مرجاتا ہے تو جائیداد بیواؤں کے درمیان برابر حصّوں میں تقسیم کردی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص مسمی پنجا ساکن موضع پنسی دو بیویاں اور تین بچے چھوڑ کر مرگیا۔ ایک بچہ پہلی بیوی سے تھا اور بقیہ دو دوسری سے۔ اس کی جائیداد پہلے دو حصّوں میں تقسیم کی گئی، تین میں نہیں۔ بعد میں ہر بیوی کے بیٹوں کی تعداد کے لحاظ سے اس کی تقسیم در تقسیم کی گئی۔

ناجائز بیٹے

ناجائز لڑکوں کی نسبت قانون یہ ہے کہ انہیں جائیداد میں کوئی حصہ نہیں مل سکتا، لیکن چکندو یا ہلّد بیٹوں کو وراثت کا حق حاصل ہے۔ اگر خاندان میں کوئی لڑکا نہیں ہے تو اس کی بیوہ کو تاحیات یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وفات کے بعد جائیداد یک جدّی (AGNATES) یا قریب ترین ہم اصل (COLLATERALS) رشتہ داروں کو پہنچتی ہے۔

گورنمنٹ نے اس علاقہ کے گدّیوں کو مخصوص طور پر قانون وراثت ہندوان (HINDU SUCCESSION ACT) کے اطلاق سے بری کردیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے قواعد توارث (INHERITANCE PROCESS) میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہوئی حالانکہ ہندو سماج میں بے شمار تغیرات ہوتے آرہے ہیں۔ جب میں نے

چند گدیوں سے یہ سوال کیا کہ اگر جائیداد لڑکے لڑکیوں میں برابر برابر تقسیم کردی جائے تو اس کی نسبت ان کا کیا خیال ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ لڑکی تو غیر کی ملک ہوتی ہے، اسے باپ کی دولت نہ دی جانی چاہیے۔

قبائلی علاقوں میں جو رائے شماری کی گئی اس کی بنا پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے ہیں کہ منقولہ یا غیرمنقولہ جائیداد میں لڑکیوں کو کوئی حق دیا جائے۔

گرولا کے مکھولا (MAKHAULA) نامی ایک گدی نے مجھے بتایا کہ پہلے یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے لڑکے کو (اپنا لڑکا) قبول کرلیتا ہے تو سماج اس کو ناجائز لڑکا تصور کرتا تھا اور اس کی جائیداد میں اس کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔

بنجاروں کا لبادہ

جاڑے سے محفوظ رہنے کے لیے گدی ایک خاص قسم کا لباس پہنتا ہے جس کی وجہ سے اُسے آسانی سے دوسری سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ اکثر و بیشتر وہ مخصوص قسم کا اونی کپڑا پہنتا ہے جو خاص طرح کا اور جاذب نظر بھی ہوتا ہے۔ ان کے چند لباسوں کا تفصیلی بیان مندرجہ ذیل ہے:۔

چولا (CHOLA)

یہ ایک ڈھیلا ڈھالا کوٹ ہوتا ہے جس کو مرد اپنے سوتی قمیض یا کرتہ کے اوپر پہنتے ہیں۔ یہ پٹو کا بنایا جاتا ہے اور گھٹنوں کے نیچے تک لٹکتا رہتا ہے۔ یہ

عموماً سفید یا بھورے رنگ کا ہوتا ہے۔ کبھی دھویا نہیں جاتا؛ پھٹ جانے پر ہی اُتارا جاتا ہے۔ اس کی کالریں چوڑی ہوتی ہیں جو سامنے لٹکتی رہتی ہیں۔ ان میں مختلف اشیا مثلاً کھانے کی چیزیں، چھوٹے برتن اور نوزائیدہ بھیڑوں بکریوں کے بچے بھی بھر لیے جاتے ہیں۔ میں نے ایک گدی پوہل (PUHAL) کو دیکھا کہ وہ اپنے چولے میں تین میمنوں اور دو بکری کے بچوں کو لیے جارہا تھا۔

ڈورا

یہ ان کے لباس کا ایک عجیب سا جز ہے جسے ہر مرد، عورت، لڑکا لڑکی جوان بوڑھا سب پہنتے ہیں۔ یہ بھیڑ کے سیاہ اون کی بنی ہوئی پٹکا ہوتی ہے جو چولا یا لوانچھری (LUANCHHARI) کے اوپر کمر کے چاروں طرف لپٹی رہتی ہے۔ اس کا نام گاتری (GATRI) بھی ہے۔ مندرجہ ذیل جدول سے مختلف عمروں کے مردوں عورتوں کے پٹکے کی اوسط لمبائی اور وزن ظاہر ہوتا ہے:۔

تفصیلات ڈورا

جنس (یعنی مرد یا عورت)	ناپ (لمبائی)	وزن
مرد	۱۸۰ فیٹ سے لے کر ۲۰۰ فیٹ تک	۲ کیلو
عورت	۱۲۰ فیٹ سے لے کر ۱۵۰ فیٹ تک	½۱ کیلو
بچے	۳۰ فیٹ سے لے کر ۸۰ فیٹ تک (حسب لحاظ عمر)	½ کیلو سے لیکر ¾ کیلو تک

مندرجہ بالا جدول سے ظاہر ہے کہ بچے بھی یہ پٹکا پہننے سے بری نہیں کیے گئے ہیں۔ جب ہم لوگوں نے ان سے یہ سوال کیا کہ لوگ ڈورا کیوں پہنتے ہیں

تو کچھ کمرے دسپچے لیکن دل چسپ جواب ملے جن کا لب لباب یہ ہے:۔

۱۔ بوجھ کو پیٹھ پر لاد کرلے جانے میں اس کی وجہ سے سہولت ہوتی ہے۔

۲۔ کوئی فاضل رسّی کو اپنی بھیڑوں بکریوں کی گردنیں باندھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

۳۔ اس کی وجہ سے وہ چست بنے رہتے ہیں اور پہاڑیوں پر چڑھنے میں انہیں اس سے مدد ملتی ہے۔

۴۔ اس میں وہ چقماق (پتھر کا ٹکڑا) ہنسیا، چمڑے کا تھیلا، حقّہ وغیرہ باندھ لیتے ہیں۔

۵۔ اس سے ان کا منی بیگ (MONEY BAG) بھی چھپا رہتا ہے۔

۶۔ یہ آدمی کو تندرست رکھتی ہے۔

۷۔ اگر وہ اس کو نہ پہنیں تو قرینہ یہ ہے کہ ان کو دردِ شکم کی تکلیف پیدا ہو جائے گی۔

۸۔ اس کی کچھ مذہبی قدر و قیمت بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ رسی شیوری سیلی (SHIVRI SELI) (نشانی شیو) ہے۔ اور چونکہ شیو ان کے معبود ہیں اس لیے وہ اسے ان کے نام پر پہنتے ہیں۔

۹۔ بعض اوقات وہ اپنا سفری سامان اسی سے باندھتے ہیں۔

۱۰۔ مہاجرت کے دوران جب وہ آسمان کے نیچے مختلف جگہوں پر سوتے ہیں تو اس رسی سے تکیہ کا کام لیتے ہیں۔

رسومِ میّت

قبائلی اپنے مُردوں کو جلا دیتے ہیں۔ برص اور لوہار (LUHAR) کے امراض

سے فوت شدہ مریض کو پہلے دفن کر دیتے ہیں، تین ماہ کے بعد ان مُردوں کو قبر سے نکال کر جلا دیتے ہیں۔ اس وقت بھی وہی رسومات میت ادا کی جاتی ہیں جو پہلے مُردہ جلاتے وقت کی جاتی ہیں۔ ارتھی کے ساتھ گانا بجانا کبھی نہیں ہوتا چاہے وہ ارتھی کسی بوڑھے کی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جنازے کے ساتھ چلنے والے 'رام نام ست ہے'، 'جو بولے سوگت ہے'، کا ورد کرتے ہیں۔ مفہوم یہ ہے کہ خدا کا نام ہی حقیقت ہے۔ جو شخص اس کو یاد کر لیتا ہے اس کی نجات ہو جاتی ہے۔

بیشک اظہار غم رو دھو کر کیا جاتا ہے جس میں پڑوس کی عورتیں بھی جمع ہو جاتی ہیں لیکن میلو ڈراما کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح عورتیں بھی ارتھی کے ساتھ شمشان نہیں جاتیں۔

گدّیوں کے عوامی قصّے وافسانے

۱۔ ترلوچن مہادیو

منی مہیش جھیل میں تیرتے تیرتے ایک چیلا (CHELA) غائب ہو گیا اور شیو کی ایک زمین دوز فرودگاہ پٹیالپوری (PATIALPURI) پہونچ گیا۔ دیوتا نے اس سے پوچھا کہ تو کون سا کام جانتا ہے تو بچاری نے بتایا کہ وہ درزی ہے اور اچھا کام کر سکتا ہے۔ شیو جی نے اس کو اپنا خاص درزی مقرر کیا اور اپنے لیے ایک چولا (CHOLA) سی دینے کے لیے تھوڑا کپڑا دیا۔ وہ چیلا وہاں پر چھ مہینے سے زیادہ عرصہ تک کام کرتا رہا۔ پھر اس نے گھر لوٹنے کا ارادہ کیا کیونکہ برفباری کا وقت قریب آگیا تھا۔

شیو جی نے اسے پٹیالپوری چھوڑ کر جانے کی اجازت دے دی اور اون سے

پھر ایک کھردو (KHARDU) دیا۔ لیکن یہ تاکید کر دی کہ وہ کسی کو یہ نہیں بتلائے گا کہ وہ نگری میں تھا اور وہاں کچھ کام کرتا رہا ہے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ پاگل ہو جائے گا۔

بھگوان شیو کی دعائیں لے کر وہ چیلا اپنے گاؤں واپس چلا آگیا۔ منی مہیش جھیل سے غائب ہو جانے پر اتنے عرصہ تک نظر نہ آنے کے بعد اسے دیکھ کر لوگوں کو سخت تعجب ہوا۔ اس کی بیوی نے راز دریافت کیا تو اس نے ٹال جانے کی کوشش کی لیکن جب وہ عورت اصرار کرتی رہی تو اس نے حقیقت ظاہر کر دی اور پاگل ہو گیا۔ جب عورت نے اس کھردو (KHARDU) کو کھولا تو دیکھا کہ شیو جی کے دیے ہوئے اون کے بدلہ اس میں بہت سا سونا تھا۔

وہ پاگل چیلا گھر چھوڑ کر باہر چلا گیا اور راوی ندی میں کود پڑا۔ یہاں اس کا جسم پتھر ہو گیا۔ چنبا کے راجہ نے اس چٹان پر ترلوچن نام کا ایک مندر بنوا دیا۔ ہر سال یہاں بھادوں یا اسوج (ASUJ) کے مہینہ میں پوجا ہوتی ہے۔

۲۔ منی مہیش

کسی زمانہ کی بات ہے کہ ایک کوا، ایک سانپ اور ایک گدی منی مہیش کا تیرتھ کرنے چلے۔ ان کا ارادہ بھگوان منی مہیش کی سب سے اونچی چوٹی تک جانے کا تھا۔ سب سے پہلے کوے نے بڑے زعم کے ساتھ اوپر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن بھگوان کو اس کا یہ رویہ پسند نہ آیا تو انہوں نے اس کوے کو پتھر بنا دیا۔

تب سانپ غرور بیجا کے احساس کے ساتھ دیوتا تک پہونچنے کی کوشش کرنے لگا۔ شیو جی نے اس کو بھی پسند نہ کیا اور اسے پتھر کی چٹان میں تبدیل کر دیا۔ آخر میں وہ گدی سب سے اونچی چوٹی پر پہونچنے کے لیے روانہ ہوا۔ ہر

پانچ قدم پر ایک میمنہ کی قربانی کر کے وہ بھگوان کو خوش کرنا چاہتا تھا، لیکن بڑے غرور کے ساتھ ۔ اس کے سب میمنے ایک ایک کر کے ختم ہو گئے اور خود وہ پتھر بن گیا کیونکہ بھگوان منی مہیش کو اس کا یہ رویہ پسند نہ آیا ۔

آج بھی ان چٹانوں پر کوتے، سانپ اور میمنوں کے ساتھ ایک گڈری کی شبیہ دیکھنے میں آتی ہے ۔

۴۔ پھلمو اور رنجو

یہ ایک خوش حال زمیندار کے بیٹے رنجو اور ایک غریب آدمی کی بیٹی، پھلمو کی ناکام محبت کا قصہ ہے ۔

رنجو اور پھلمو دونوں بچپن ہی سے ایک ساتھ کھیلتے کودتے سن بلوغ کو پہنچ گئے تو دونوں میں محبت ہو گئی ۔ لیکن رنجو کا باپ اپنے بیٹے کی شادی ایک مفلس آدمی کی بیٹی سے نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ اس لیے اس نے اپنے لڑکے کے لیے دوسری لڑکی سے رشتہ طے کیا ۔

جب رنجو کے بدن پر بٹنا (BATNA) کی مالش ہو رہی تھی تو پھلمو ضبط نہ کر سکی اور پس پردہ اس کو دیکھنے چلی گئی ۔ پھلمو کو دیکھ کر رنجو نے اسے بلایا اور کہا کہ پردہ کے پیچھے سے جھانکنے کی بجائے تم آ کر اس کام میں ہاتھ بٹاؤ ۔ پھلمو نے جواب دیا کہ جب مجھ کو اس شادی کی ذرا بھی خوشی نہیں ہے تو میں بٹنا (BATNA) نہ لگاؤں گی، تمہاری چچیاں اور رشتہ کی دیگر عورتیں لگائیں گی ۔

اس نے رنجو سے یہ دریافت کرنا چاہا کہ اس کے لیے یہ شادی کس نے ٹھیک کی تھی اور سگائی BETROTHAL کس نے منظور کی ۔ رنجو نے جواب دیا کہ خاندان کے پروہت نے شادی ٹھیک کی اور ہمارے والد نے سگائی منظور

کرلی۔ شکستہ دل پھلّو اپنے گھر واپس چلی آئی اور زہر کھاکر مرگئی۔

دوسرے دن جب رنجو برات کے آگے آگے جا رہا تھا تو دیکھا کہ لوگ پھلّو کی لاش شمشان کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ رنجو اپنے جذبات کو روک نہ سکا اور چلاکر بول اُٹھا کہ میں پھلّو کی رسوم میت میں شریک رہوں گا۔

اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے چتا تیار کی اور داہنے ہاتھ سے اس میں آگ لگادی اور جب شعلے بھڑکنے لگے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ناپختہ و غیر معتبر اجنبیوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔

یہ قصہ گدّیوں کے ایک عوام پسند گیت کا موضوع ہے۔

گدّیوں کے لوک گیت اور ناچ

ناچ گانے ہر جماعت یا قوم کی نہایت فطری خصوصیات ہیں۔ ان سے ان کے مزاج و افتادِ طبع کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ وہ اپنے گردوپیش کی حسین و مسرت بخش چیزوں کا کس طرح اثر قبول کرتے ہیں۔ ہمالیہ کی گود میں رہنے والے آزاد منش اور بے جھجک لوگوں میں گدّی سب سے زیادہ شاندار قومیت کے افراد کہے جاسکتے ہیں۔

شوخ رنگ بھرے مناظر اور جذبات پرستانہ و رومانی فضا میں رہنے والی گدّی قبیلہ کی لڑکی کو چنبا کی پہاڑیوں سے دلی محبت ہوتی ہے۔

گوری (GORI) کو گہری محبت ہے
چنبا کی پہاڑیوں سے
ہر گھر میں ایک بندلو BINDLU ہے

ہر گھر میں ایک ٹِکلو (TIKLU)
ہر گھر میں مطمئن پُر سکون دلہنیں ہیں
گوری کو گہری محبت ہے
چنبا کی پہاڑیوں سے

منی مہیش ہمیشہ برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ یہ مقام اتنا ہی مقدس سمجھا جاتا ہے جتنا کیلاش، لوگوں کا خیال ہے کہ بھگوان شیو یہاں بود و باش کرتے تھے۔ یہاں پر بہت سے مندروں میں بھگوان شیو کی پوجا مخصوص طور پر کی جاتی ہے۔ یہ شیو بھومی بہت سے گیتوں کا موضوع ہے۔ ان گیتوں کو انچلی کہا جاتا ہے۔ ایک مشہور و معروف انچلی حسب ذیل ہے:۔

اے بھگوان شیو، ہماری مرادیں پوری کر
ہم تجھے ایک نوالہ (NAWALA) چڑھائیں گے
اور ہم قربان کریں گے
اسی بکرے اور چوراسی بھیڑیں
ہے بھگوان ہم تیرا درشن چاہتے ہیں

شادی کے موقعہ پر گایا جانے والا گیت حسب ذیل ہے:۔

وہ سندر لڑکی کون ہے
جو بال بکھرائے بیٹھی ہے
اور وہ کون ہے جو پیٹھ موڑے بیٹھا ہے
یہ جو بال بکھرائے بیٹھی ہے یہ گوری ہے
اور جو پیٹھ موڑے بیٹھا ہے ایشر (شیو) ہے

ایک گدّی لڑکی بازار میں چند بیڑیاں خریدنا چاہتی ہے۔ اس کے لیے عزیزوں

ے اس طرح التجا کرتی ہے کہ سُن کر اس سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے ، استدعایوں ہے :-

شہر کے بازار میں بیڑیاں بک رہی ہیں
چچا جان میرے لیے خرید لائیے نا
بہت گراں ہے ، کیسے خریدوں ؟
میرے والد کے چھوٹے بڑے بھیا ذرا خرید دیجئے
میرے دونوں چا چا نہیں خریدتے
تو امی اماں ذرا تو ہی خرید دے

جذبات انگیز یا رومانی گیت :-

ہماچل پردیش کے گدّیوں کا مطالعہ کرنے کے دوران میں نے دیکھا کہ دیگر قبائلیوں کی بہ نسبت یہ لوگ زیادہ بھرپور اور جذباتی زندگی بسر کرتے ہیں۔ گدّی جماعت کا آدمی زندہ دل اور خوش باش ہوتا ہے ۔ جب کوئی گدّی گڈریا اپنی بانسری بجانے لگتا ہے تو اس کی دھن پر قدرت خود ناچنے لگتی ہے ، پہاڑیاں نغمۂ مسرت سے گونج اٹھتی ہیں اور دور پر کھڑی پہاڑی لڑکی فرط انبساط سے ناچنے لگتی ہے ۔ مریض عشق و محبت گڈریری جوابی نغمہ یوں الاپنے لگتی ہے :-

۱۔ پیارے گدّی میں تیری فرقت میں بہت بے چین ہوں
بہت بے چین ، بہت بے چین ، میں بہت بہت دکھی ہوں
۲۔ پٹواری میرا خط نہیں لکھ دیتا
میرے پیارے گدّی میں تیرے لیے بہت بے چین ہوں
۳۔ میں چشمہ تک تنہا جاتی ہوں

اکیلی ہی وہاں پانی پیتی ہوں
اچانک تمہاری یاد میرے سینہ کو چیر دیتی ہے
پیارے گدّی، تجھ بن میں بہت بے چین ہوں
۴۔ میں ننگے پاؤں پہاڑی پر چڑھ جاتی ہوں
واپسی کے وقت تم سے ملاقات کی اُمید میں
لیکن افسوس! میرے پیروں میں نُکیلے کانٹے چبھ گئے ہیں
اور (ہنوز) تمہارا کوئی نشان پتہ نہیں ہے
میرے پیارے گدّی تمہاری فرقت ہی میں بہت بے چین ہوں

مندرجہ ذیل چند اشعار ایک دُوسرے مشہور و معروف گیت سے ماخوذ ہیں جن کا تعلق کنجوا اور چنچلو کی ناکام محبت کے افسانے سے ہے۔ ان کا ترجمہ ڈاکٹر کرن سنگھ نے کیا ہے:-

کنجوا اور چنچلو

۱۔ میں زار زار روتی ہوں
جب کپڑے دھوتی رہتی ہوں، او کنجوا
۲۔ تمہارے ہاتھ میں ایک ریشمی رومال ہے، او چنچلو
اور میری انگوٹھی تمہاری انگلی میں
ہماری لازوال محبت کی نشانی (ہے)
۳۔ تمہاری بانہوں پر
سُرخ سُرخ چوڑیاں لرزاں ہیں
اور انہیں کے درمیان، پیاری چنچلو

وہ کنگن ہے جس کو میں نے تمہیں دیا تھا
اپنی محبت کی نشانی کے طور پر
۵۔ میرے پاس آدھی رات کو مت آنا، پیارے کنجوا
میرے گھر میں پانچ بھری ہوئی بندوقیں تمہارے اوپر چھوٹنے کے لیے
بیتاب ہیں
۶۔ میں ضرور آدھی رات کو آؤں گا، پیاری چنچلو
تمہارے لیے میری لافانی محبت کا
پانچ بندوقیں کیا بگاڑ لیں گی
۷۔ پیارے کنجوا تم بہت دور جا رہے ہو
مجھے اپنی محبت کی نشانی ایک انگوٹھی دیتے جاؤ
۸۔ ایسی خفیف سی چیزوں کے لیے دق مت کر، پیاری چنچلو
چنبا میں سونے کی بہتات ہے
میں تمہیں گہنوں سے لاد دوں گا
۹۔ کل کی رات رخصت مت ہو، پیارے کنجوا
مجھ سے جدا مت ہو جاؤ
میں اپنی زندگی ہی قربان کر دوں گی
تمہیں یہیں روک رکھنے کے لیے
۱۰۔ کل رات مجھے جانا ضروری ہے، پیاری چنچلو
میں ضرور جاؤں جاؤں گا، مجھے ضروری کام ہے جس کو
میں نظر انداز نہیں کر سکتا
(بہ عنایت ڈاکٹر کرن سنگھ — پرکاش)

۱۔ رات بھر ٹھہر جاؤ پیارے گدّی
آج کی رات رُک جاؤ، میرے محبوب گدّی
آج کی رات یہیں قیام کرو
میں تمہیں میمنہ کا تازہ گوشت دوں گی
اور اسے پکانے کے لیے گھی
میرے محبوب کل صبح تک کے لیے رُک جاؤ
۲۔ میں تمہیں صابن تیل دوں گی، جھرنے کے ٹھنڈے پانی میں نہاؤ
آج رات کو مت جاؤ
رات کے وقت جنگلی جانور ہمارے کھیتوں میں چلے آتے ہیں
اور میں اکیلی ہوں اور
آج رات کو میرے پاس رہ جاؤ میرے پیارے گدّی
کل سویرے تک ٹھہر جاؤ

ایک دوسرے گڈریے ریتو سے متعلق بہت سے گیت لکھے گئے ہیں۔ جب ریتو گھر لوٹ آتا ہے تو اس کی محبوبہ اس کی منتظر نہیں ہے۔

ان عوامی گیتوں کی عبارت بہت صاف اور سلیس ہے اور گاتے وقت ان کے اظہار کے لب و لہجہ میں حیرت انگیز صفائی ہوتی ہے۔ دوسرا شعر شروع کرنے کے پہلے شعر ماقبل کو کئی بار دہراتے ہیں۔ اپنی بھیڑوں بکریوں کو چراتے وقت بیشتر عورتیں یا گڈریے ان گیتوں کو اونچے سُر میں گاتے ہیں۔

لوک ناچ

گدّیوں کا عوامی ناچ یکساں اور سپاٹ قسم کا ہوتا ہے۔ لوگ گروہ باندھ کر

ناچتے ہیں۔ پورے گروہ کے لوگ ایک دائرہ میں حرکت کرتے ہوئے گھومتے ہیں اور ہر قدم پر اپنے جسم کو بڑی آسانی و خوبصورتی کے ساتھ گھمائے جاتے ہیں۔ اس کے دوران ان کے سر جھکے ہوئے رہتے ہیں اور بانہیں یکے بعد دیگرے سروں کے اُوپر بار بار اٹھتی رہتی ہیں۔ یہ ناچ ہمیشہ گانوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مرد و عورتیں عموماً الگ الگ حلقوں میں ناچتی ہیں اور باہم خلط ملط نہیں ہوتیں۔

مردوں کے ناچ میں شور و غل بہت ہوتا ہے طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی حیوانی رُوپ لے لیتا ہے۔ لیکن عورتوں کے ناچ میں بڑی نزاکت ہوتی ہے۔ وہ بڑی آن بان اور سبک خرامی کے ساتھ رقص کرتی ہیں۔ اور مقررہ وقفوں پر ہاتھ سے تالیاں بجاتی جاتی ہیں۔ ہر دو تین قدم پر ایک دوسرے کے سامنے اپنے کولھوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ اور اس طریقہ پر ایک دل کش سماں پیدا کر دیتی ہیں۔

شہنائی اور ڈھولک کے آرکسٹرا کی آوازوں کی آ ٹھان پر ان کے حرکات تیز ہوتے جاتے ہیں۔ گانے والے حلقہ، رقص کے باہر بیٹھ کر اپنے ساز بجاتے رہتے ہیں۔ ان ناچوں میں پوری طرح اظہار جوش کے ساتھ ضبطِ نفس بھی ہوتا ہے اور رہ رہ کر جب یہ تیزی سے چکر کاٹتے ہیں تو ان کی پوشاکیں ہوا میں اُڑنے لگتی ہیں۔ اس وقت ان پر ایک بے خودی سی طاری ہو جاتی ہے۔

عام طور پر ان ناچوں میں شرکت کرنے والے سُور (شراب) پی کر میدان میں اُترتے ہیں۔ انفرادی رقص تو پر سکون ہوتا ہے۔ لیکن اجتماعی رقص میں یہ قانع و خوش دل و امن پسند لوگ طرحداری سے قدم بڑھاتے ہیں عورتیں گاتی ہیں تو مرد ہُو ہُو کرتے ہیں۔

گجّر

راعیان خانہ بدوش

پورے کوہستان ہمالیہ کو تین بڑے خطّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ــــ مغربی، وسطی اور مشرقی ــــ عہدِ عتیق سے ان میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد رہتے آئے ہیں۔ ہمالیہ کے حصّہ مغربی و حصّہ وسطی کا سروے کیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کے ضلع لداخ کے لداخی (بھوٹ اور بودھ) اور مسلم لاہول و سپٹی ضلع کے لاہولی و سپٹی، ہماچل پردیش کے ضلع کنور میں رہنے والے کنوری اور اتر پردیش کے کوہستانی اضلاع میں آباد بھوٹیے، راجی، ڈوم اور شِلپکا جیسی مختلف نسلوں کے لوگ رہتے ہیں۔ مشرقی کوہستان ہمالیہ میں متعدد مختلف النسل گروہ مغربی بنگال کے ضلع دارجلنگ، میگھالیہ، اروناچل، میزورم، منی پور، ناگالینڈ و دیگر مقامات میں سکونت گزیں ہیں۔

سیر و سیاحت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اپنے حسین مناظر و مقامات کا تماشا دیکھنے کے لیے قدرت نے اس کے دل میں ایک کشش پیدا کر دی ہے۔ اس نے اپنا سفر جاری رکھا اور وہیں جا کر ختم کیا جہاں پر اسے شکم پروری کے لیے کافی خوراک دستیاب ہو سکی۔ نوکری چاکری اور روزگار

دھندے کے مواقع بھی آدمی کے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کے باعث ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے خانہ بدوش قبیلے یا تو داخلی تنازعات اور جنگ و جدال کی وجہ سے اپنے وطن سے خارج کر دیے گئے یا غذا و روزگار کی تلاش میں انہیں اپنا گھر چھوڑنا پڑا۔ ان میں گجر قبیلہ کے لوگ بھی ہیں جو کسی گاؤں، جنگل یا وادی میں کچھ دنوں تک قیام کرتے ہیں پھر اپنے مویشیوں کے لیے گھاس کی تلاش میں دوسری جگہ چلے جاتے ہیں۔

اکثر و بیشتر گجر دیہاتی زندگی بسر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ ہماچل پردیش کا ایک خوبصورت قبیلہ ہے۔ یہ لوگ جموں کشمیر، ہماچل پردیش، اور اتر پردیش کے پہاڑی علاقوں میں بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ گدیوں کے برعکس اس قبیلہ والے اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہ کی تلاش میں سال بھر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ ان کی جھونپڑیاں جہاں تہاں نظر آتی ہیں۔ یہ اپنے ڈیرے (جھونپڑیاں) جنگلوں میں جا بجا آس پاس کی گھاس پھوس و لکڑی سے بناتے ہیں۔ یہ سائبان چند روزہ ہوتے ہیں اور جب جب وہ چراگاہوں کو بدلتے ہیں تو انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں یا برباد کر دیتے ہیں۔

کننگھم کا بیان ہے کہ گجر زمانۂ قبل مسیح میں بھی موجود تھے۔ ان کا آبائی مسکن گجرات ہے۔ لامعلوم وجوہات سے انہیں اپنا وطن گجرات کاٹھیاواڑ چھوڑ کر جموں کشمیر جانا پڑا اور پھر یہ ہماچل پردیش و اتر پردیش میں گنگا کے کنارے کنارے جنگلوں میں قیام پذیر ہو گئے۔ ایک گجر سردار (فوجی) طاقت بہم پہونچا کر پشاور، کابل اور ملتان پر بھی قابض ہو گیا اور عرصہ تک حکمرانی کرتا رہا۔

اکبر کے عہد حکومت میں گجر حکمرانوں نے شہر گجرات کی بنا ڈالی۔ اتر پردیش کے ضلع سہارنپور کا نام بھی گجر گڈھ یعنی مسکن گجران رکھا گیا۔ ان میں اکثر و بیشتر ہندو تھے۔ لیکن اورنگ زیب کے زمانہ میں بہتیروں نے مذہب اسلام قبول کرلیا۔ ان میں اکثریت سنی مسلمانوں کی ہے۔ حالانکہ ان کی نچلی ذاتوں کے لوگ مثلاً چندیل، بھٹی، بنجا، لودھے، کٹنے، بھینسی، چوپڑا، چوہان وچھی اور کھٹپا وغیرہ آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں راجپوت قوم کی جھلک پائی جاتی ہے۔

بارہویں صدی عیسوی میں کلہن کی تصنیف کردہ راج ترنگنی میں گجروں کا ذکر نہیں ہے حالانکہ ملیچھوں، دمساؤں، نشادوں، تنتریوں، نیایکوں، بھٹوں، بھکشوں، کھاسوں اور دردوں جیسی اقوام کے حوالے ملتے ہیں۔ بہر حال ڈریو (DREW) کہتا ہے کہ گجر "آریہ" قوم کے ہیں۔

جب ان خانہ بدوشوں سے ان کی مہاجرت کی نسبت سوال کیے گئے تو انہوں نے صرف اتنا ہی بتایا کہ ان کے آباء واجداد گجرات سے آئے تھے۔ لیکن کسی کو ترک وطن کی تاریخ (سال) نہیں معلوم۔ یہ بھی یقین سے کہنا مشکل ہے کہ وہ وادی کشمیر میں داخل ہونے کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے تھے کیونکہ اسلام چودھویں صدی میں کشمیر میں پہونچا اور اہلِ تصوف نے اس وادی کے مختلف حصّوں میں اس کی تبلیغ کی۔

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ گجر راجپوتوں کا ایک طبقہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گجر لفظ "گجر" سے مشتق ہے جس کا مفہوم ہے راجپوتوں کا ایک جنگجو فرقہ۔ چنبا کے گجر بہت زمانہ پہلے جموں کشمیر سے آئے تھے۔

+

مہاجرت

گجر قوم کی عورت اپنے بچوں ، شوہر و دیگر مسن ارکانِ خاندان کے ساتھ دو ماہ بچے کو گود میں باندھے ، دودھ مکھن سے بھرے دو چار مٹی کے برتن سر پر رکھے ، ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے ان وادیوں کا تکلیف دہ سفر کرتی بڑھتی چلی جاتی ہے ۔ایک دوسری عورت بھینس دوہنے میں اپنے شوہر کو مدد دیتی ہے ۔ اگر یہ دوران سفر جہاں کوئی دوا دارو یا نرس دستیاب نہیں ، اسے دردزہ شروع ہوجاتا ہے تو وہ اپنا سفر ختم نہیں کر دیتی کیونکہ یہ تو خود بخود ختم (ترک) ہوجاتا ہے ۔ایک ہفتہ بعد وہ پھر چل پڑتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے قبل نہیں رکتی ہے ۔

قبائلیوں میں کئی ولادتیں سفر کے دوران ہوتی پائی گئی ہیں ۔ تند و تیز اور بہت سرد موسمی حالات کی وجہ سے اس طرح کی ولادتوں میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں اور موت بھی ہوجایا کرتی ہے ۔

دشواریاں اس وقت پیدا ہوجاتی ہیں جب محکمہ جنگلات کے حکام ان کی بھینسوں کو بعض ندیوں کے پُلوں پر سے ہو کر عبور کرنے کے لیے اجازت نہیں دیتے کیونکہ ان ۲۵۰ کیلو وزن کے بھاری جانوروں کے بار سے پل ٹوٹ جاسکتے ہیں اور چونکہ یہ غریب گجر اپنے مویشیوں کو چھوڑ نہیں سکتے اس لیے انہیں دُور کا راستہ پکڑنا پڑتا ہے ۔

دیہاتی زندگی بسر کرنے والا قبیلہ

ہماچل پردیش کا گجر مخصوص طور پر راعیانہ زندگی بسر کرنے والا قبیلہ ہے۔ یہ لوگ بڑی تعداد میں بھینسیں پالتے ہیں اور گائیں بھی۔ وادی کے دیگر ہم جماعت افراد کے بعض گجر بھیڑیں اور بکریاں بھی رکھتے ہیں۔ یہ اپنا دودھ گاؤں والوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ یہ بہت ایماندار دودھیے سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ جو دودھ یا دودھ کی چیزیں وہ بیچتے ہیں سو فیصد خالص ہوتی ہیں۔ یہ خدا ترس لوگ ہیں؛ اپنی چیزوں میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں کرتے۔ لیکن خارجی دنیا کے ساتھ تعلقات پیدا ہو جانے کی وجہ سے ان کی زندگی کی اقدار میں بھی گراوٹ آتی جارہی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی قدیم روایات کو کب خیرباد کہہ دیں گے۔

گجروں میں کاموں کی تخصیص نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر بالغ لڑکے لڑکی کو کوئی بھی کام دیا جاسکتا ہے مثلاً گھریلو جانوروں کی پرورش پرداخت، دودھ دوہنا، کپڑے بننا اور تیار شدہ چیزوں کو فروخت کرنا وغیرہ۔ ہر رکن خاندان کی ذمہ داری مشترک ہے۔ اس رواج نے ان میں اس قدر یکجہتی پیدا کردی ہے کہ اگر گھر کا ایک فرد بیمار پڑجاتا ہے تو دوسرا فرد خود بخود اس کا کام سنبھال لیتا ہے۔

گجر قوم کے لوگ گرمی کے دنوں میں دھاروں (اونچے پہاڑوں) پر چلے جاتے ہیں اور جاڑوں میں گھومتے پھرتے نیچے چلے آتے ہیں۔ ان کے مرد مویشیوں کی پرورش پرداخت کرتے ہیں اور عورتیں کھانا پکاتی، جانوروں کو دوہتی اور گھی تیار کرتی ہیں۔

گجروں کی خاص غذا سادہ لیکن مقوی ہوتی ہے۔ اس میں مکا، دودھ اور گھی شامل ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ کسی طرح کی شراب یا کوئی اور منشی چیز نہیں پیتے۔ تقریباً ایک درجن صد سالہ گجروں سے میری ملاقات ہوئی جنہوں نے شراب کو کبھی ہاتھ سے چھوا تک نہ تھا۔ وہ خواہ برف سے ڈھکے ہوئے راستوں پر چل رہے ہوں یا گھنے جنگلوں سے گذرتے ہوں انہیں کبھی شراب یا کسی اور قسم کے مشروب کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

گدیوں کی طرح گجر بھی سادہ مزاج، مضبوط، محنتی اور پاک دامن ہوتے ہیں۔ وہ امن پسند، خلیق اور مہمان نواز ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے مویشیوں، جنگلوں، جھونپڑوں اور ان راستوں سے جن پر وہ چلتے ہیں محبت ہوتی ہے۔

گجر اپنے مخصوص لباس اور داڑھی کی وجہ سے پہچان لیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنے سروں پر ایک مخصوص قسم کی پگڑی باندھتے ہیں جو راجپوتوں کے روایتی لباس کے مشابہ ہوتی ہے۔ کشمیری مسلمان عورتوں کی طرح ان کی عورتیں کرتہ اور چوڑی دار پاجامہ پہنتی ہیں لیکن ان میں سخت پردہ کی پابندی نہیں ہوتی اور نہ مسلمان عورتوں کی طرح برقعہ استعمال کرتی ہیں۔

بچہ کی ولادت کو وہ اللہ (GOD) کی دین سمجھتے ہیں۔ لڑکا پیدا ہونے پر بہت خوشیاں مناتے ہیں۔ نظر بد سے محفوظ رکھنے کے خیال سے لڑکے کی پیدائش کی خبر ہمسایوں کو دیر سے دی جاتی ہے۔ جس کمرے میں بیوی بچہ جنتی ہے اس میں شوہر نہیں جا سکتا۔ بچوں کی پرورش و پرداخت روایتی طریقے پر ہوتی ہے لیکن بڑے لاڈ پیار کے ساتھ۔

وہ مانع حمل تدابیر میں یقین نہیں کرتے اور انہیں گناہ سمجھتے ہیں کہ قوانینِ خدا کو توڑنا نہیں چاہیئے۔ ضبطِ حمل انہیں معلوم نہیں۔ اسقاطِ حمل کبھی نہیں کرایا جاتا ہے۔

مذہب اسلام کے پیرو ہونے کی وجہ سے جب لڑکا پانچ سال کا ہو جاتا ہے تو ختنہ کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کام کو حجام کرتا ہے اور اس موقع پر جانور کی قربانی کی جاتی ہے۔ قرابت مندوں اور دوستوں وغیرہ کی ضیافت کی جاتی ہے۔

گجر قوم کے لوگ یک زوجی اور پدری سلسلۂ نسب والے ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ پدری سلسلۂ نسب میں خون کے رشتوں کی صحت و حقیقت میں یقین کرتے ہیں تاہم نہ تو کسی مخصوص و محدود مقام پر ان کا کوئی جتھہ یا قبیلہ ہے نہ مقامی گوت بیاہ یا ازدواج خارجی کی طرف ان کا رجحان ہے۔ اس معنی میں اس قبیلہ کو ہزلنگی (AGAMONS) کہا جاسکتا ہے۔

ایک ہی قبیلہ کے اندر گوت بیاہ کا ممنوع ہونا قبائلی رسم و رواج کی مخصوص بات ہے۔ لیکن اب اس میں کمی آتی جارہی ہے۔ ایک حد تک اس کی وجہ گجروں میں تبلیغ و توسیع اسلام ہے ( ). حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہر درجہ و ہر طرح کے بھائیوں بہنوں میں شادی کی اجازت دیتا ہے سگے بھائی بہنوں کو چھوڑ کر۔

وراثت

وراثت جائیداد کی نسبت یہ رواج ہے کہ باپ کی ملکیت بیٹوں کو ملتی ہے جو اسے آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔ خاندان میں کوئی بچہ نہ رہنے پر جائیداد اس کی بیوہ کو پہونچتی ہے۔ لیکن اگر وہ دوسری شادی کر لیتی ہے تو

اپنا حق کھو بیٹھتی ہے اور تب یہ اس کے شوہر مرحوم کے بھائیوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہو جاتی ہے۔

گجر خاندان کی لڑکی کو شادی کے موقعہ پر برائے نام جہیز دیا جاتا ہے۔ قیمتاً دلہن حاصل کرنے کا عام رواج ہے۔ جب تک کوئی دلہن کے خاندان والوں کو اس کے لیے ایک بھاری رقم نہیں دیتا اچھی بیوی پانا بہت مشکل ہے۔ یہ رقم ۵۰۰ روپیہ سے لے کر ۱۰۰۰ روپے تک یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ کپڑوں و زیورات کے تحفے لڑکی کو شادی کے قبل ہی دیے جاتے ہیں۔

گجروں میں پسر متبنّٰی اختیار کرنے کا رواج عام و دل پسند نہیں ہے کیونکہ وہ مشترکہ خاندان پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا خاندان مفرد ہوتا ہے اور مرکب بھی۔ افسرِ خاندان کو کُل اختیارات حاصل ہوتے ہیں لیکن اندرون خانہ جملہ امورِ خانہ داری پر گھر کی بڑی بوڑھی عورت ہی کا تسلط رہتا ہے۔

شادی

معمولاً اپنے لڑکے کی شادی کیلئے اُن کے والدین دُلہن منتخب کر لیتے ہیں۔ زن و شو کے انتخاب میں لڑکے یا لڑکی کی پسندیدگی کا خیال نہیں کیا جاتا۔ قبائیلوں میں شادی کرنے کے لیے گھر سے فرار ہو جانے کے یا اغوا کے واقعات نہیں دیکھنے میں آتے ہیں۔ بٹہ سٹہ یا شادی متبادلہ کا عام رواج ہے۔ یہ دو طرفہ یا سہ طرفہ رشتے ہوتے ہیں۔ مثلاً ظہور بخش اپنی بہن رحمان کو دے کر اس کی بہن سے شادی کر سکتا ہے۔ یہ سیدھی شادی دو طرفہ تبادلہ کی شادی ہوئی۔ سہ طرفہ قسم کی شادی وہ ہوتی ہے جس میں زید کی شادی بکر کی بہن سے

بکر کی شادی عمر کی بہن سے اور پھر عمر کی شادی زید کی بہن سے ہو جاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں یہ طریقۂ ازدواج راجپوتانہ اور گجرات کے بعض راجپوت گھرانوں میں بھی مروّج تھا۔

شوہر اپنی بیوی کی بہنوں سے ہنسی مذاق کر سکتا ہے۔ رسوم شادی کے دَوران دُلہن کی بہنیں دُولہے کو بلاتی ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے کچھ ہنسی مذاق کی باتیں کرتی ہیں، اس کی آنکھوں میں کاجل لگاتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ لڑکیاں اس کے زانووں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ وہ دُولہے کو اُس وقت چھوڑتی ہیں جب اُنہیں کچھ نقد انعام مل جاتا ہے۔

گجروں میں نادان بچے بچیوں کی شادیاں بالعموم ہوا کرتی ہیں۔ ایسے واقعات بھی دیکھے گئے ہیں کہ بچوں کی ولادت کے قبل ہی ان کی سگائی ہو چکی ہو۔ مہر شوہر ادا کرتا ہے اور طلاق کی صورت میں نیا شوہر وہی رقم طلاق شدہ شوہر کو دیتا ہے۔ متبادلہ شادیاں پسندیدہ سمجھی جاتی ہیں۔ صرف مالدار قبائل ہی دو یا دو سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں ورنہ یک زوجیت کا عام رواج ہے۔

مذہب

دیگر مسلمانوں کی طرح گجر بھی دوزخ و جنّت میں یقین کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مرنے والا قبر میں آرام کرتا ہے اور حشر کے دن وہ دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے اور اپنے اعمال کے مطابق سزا یا جزا پاتا ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق مُردے کو دفن کیا جاتا ہے اور تین دن تک رونا پیٹنا ہوتا ہے۔ ان تینوں دن اس گھر میں کھانا نہیں پکتا، پڑوسی اس خاندان والوں کو کھانا پہونچاتے ہیں۔

چوتھے دن اس گھر میں کھانا پکاکر ہمسایوں کو متوفی کے نام کھلایا جاتا ہے۔ دسویں دن اس کی قبر پر ایک پتھر لگا دیا جاتا ہے اور پڑوس کے بچوں کو مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔ چالیس دن گزر جانے کے بعد رشتہ داران و ہمسایگان اس کی قبر پر جمع ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

وہ خدا پر یقین رکھتے ہیں جس نے دنیا بنائی۔ آسمان ہفتم اس کی قیام گاہ ہے جہاں پر سوتا ہوا وہ سب کو دیکھتا رہتاہے۔ حالاں کہ پنج وقتی نمازیں وہ یقین کرتے ہیں، بہت کم ہی لوگ اس کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

گجر قبیلہ کا ہر فرد غذا تناول کرنے کے قبل خدا کا نام لے کر دعائیں مانگتا ہے۔ مختلف مذہبی رسوم کے موقعہ پر قرابت مندوں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں۔

جموّں اور کشمیر کے گوجر

جموں وکشمیر کا گجر زیادہ تر زراعت پیشہ چوپانی کرنے والا قبیلہ ہے جصول معاش کے لیے زراعت و گلہ بانی ان کے یہی دو مقتدر کام ہیں۔ بعض حصوں میں تو اعمال حصول معاش میں زراعت نے عمل کبیر کی حیثیت اختیار کرلی ہے، لیکن بعض دیگر علاقوں میں ابھی تک گلہ بانی ہی گجروں کا مخصوص پیشہ ہے۔

بارش پر منحصر کھیتی (دھان) کی ضرورتوں کے لیے لگاتار پانی بہم پہنچاتے رہنے کا انتظام کرنا مشکل ہے۔ سوکھی کاشتکاری کے لیے بھی قدرتی بارش ہی پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔

یہ لوگ ہَل دکھَر یہ سے بہت کام لیتے ہیں۔ ان کا ہَل ویسا ہی ہوتا ہے جس سے وادی کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ البتہ یہ اُس سے کچھ چھوٹا ہوتاہے۔

گجروں کا قبیلہ ریاست جموں وکشمیر کے وسیع سیاسی نظام کا ایک اہم وکمل متوسل ہے ۔ان کی تنظیم بہت مستحکم نہیں ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ خانہ بدوش اقوام میں سیاسی رکنیت معمولاً بہ لحاظ نسل ونسب متعین ہوتی ہے ،اس لحاظ سے نہیں کہ وہ کس علاقہ میں رہتے ہیں ۔

کوئی تغیّر وتبدّل نہیں

گجر ایک جگہ سے دوسری جگہ ، ایک دھار (DHAR) سے دوسری پہاڑی پر اور ایک ریاست سے دوسری ریاست میں گھومتا رہتا ہے ۔ اسے وحشی جانوروں سے ڈر نہیں لگتا مگر یہ افسرانِ جنگلات سے خوفزدہ رہتے ہیں جو قدم قدم پر اُن سے ٹیکس وصول کرتے ہیں ۔اسے ریاستی سرکار کو مختلف قسم کے محصولات ادا کرنے پڑتے ہیں ۔

قبائلی تہذیب میں تغیرات پیدا کرنے میں جدید چیزوں کا ہاتھ ہے ۔ لیکن باوصف آنکہ موسمی تغیرات کی وجہ سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہوں پر چلے جایا کرتے ہیں اور متمدن لوگوں سے ان کا ربط واتصال ہوتا ہے ۔اس کا ان کے اُوپر کوئی خاص اثر نہیں پڑا ہے ۔ اس علٰحدگی کی وجہ سے ان میں پستی وتنزلی آگئی ہے ؛ ان کی اپنی مخصوص قسم کی راحت و مسرت ہے ۔ لہذا ان کی زندگیاں دکھ درد اور ہنسی خوشی کا مجموعہ ہیں ۔

قبائل کی فلاح وبہبود

ہماچل پردیش گجرّ ویلفیئر کمیٹی کو ایک عظیم سماجی کارکن پنڈت دھرم دیو شاستری

نے قایم کیا تھا ۔ شروع میں گجر قبیلوں کے بچوں کے لیے آٹھ اسکول کھولے گئے تھے ۔
گجر قوم کے لوگ ایک ہی مقام پر زیادہ عرصہ تک نہیں ٹک سکتے ۔اِس لیے ان کی ترقی و بہبودی کے لیے جتنے منصوبے مرتب کیے گئے وہ سب کے سب عام طور پر ناکام رہے ۔ خانہ بدوشی قوم کے جسم پر ایک بدنما داغ ہے ۔ اس کے لیے باقاعدہ تبدیلی کی ضرورت ہے ۔ جب تک ان کی فطرت بدلی نہیں جاتی اور انہیں زمین فراہم نہیں کی جاتی کوئی معقول نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا ۔

جب ہم ان کی فلاح و بہبودی کے منصوبے بنانے لگتے ہیں تو ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا قبائلیوں کو مستقل طور پر آباد ہو جانے کے لیے زمینیں دے دی جائیں یا انہیں خانہ بدوشی ہی کی زندگی بسر کرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ ان کی فوری ضرورتوں کی نسبت جو باتیں راقم الحروف کے ذہن میں آئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ انہیں مستقل طور پر آباد ہونے کے لیے زمینیں دی جانی چاہئیں۔

۲۔ ان کے مویشیوں کے لیے چراگاہیں ضروری ہیں ۔

۳۔ اگر ان کی رہنمائی کے لیے ڈیری کے ماہرین تعینات کر دیے جائیں تو اور زیادہ دُودھ حاصل ہو سکتا ہے اور زیادہ ڈیریاں قایم کرنے کے لیے ان کی ہمت افزائی کی جاتے ۔ امداد باہمی کے اصولوں پر ایک خاموش اور بے آواز انقلاب لایا جا سکتا ہے ۔

۴۔ ان کے بچوں کو معقول طور پر تعلیم دینے کے لیے اسکول و بورڈنگ ہاؤس کھولے جانے چاہئیں ۔

۵ ۔ آدِم جاتی سیوک سنگھ ، پردتیہ آدِم جاتی سیوک سنگھ و دیگر عمرانی و قبائلی ایجنسیوں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے دائرۂ عمل کو وسیع تر کریں ۔

۶۔ان کے ڈیروں میں طبّی سہولتیں بہم پہنچائی جانی چاہئیں ۔
۷۔عہدہ دارانِ حکومت ان کی ضرورتوں پر ہمدردی کی نظر رکھیں۔
۸۔تعمیر مکان کے لیے انہیں وافر مالی امداد بہم پہونچائی جائے ۔
۹۔چونکہ وہ اچھے سپاہی ثابت ہوسکتے ہیں اس لیے ہماری سرحدی علاقوں کی محافظت کے لیے ، انہیں فوج میں بھرتی کریں ۔

ونوبا جی گجرّوں کے درمیان

پنڈت دھرم دیو شاستری کی مساعی سے جو اس وقت آدم جاتی سیوک سنگھ کے سکریٹری تھے ۔بتاریخ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۹ء ہماچل پردیش کے موضع درمن (DRAMAN) میں ایک گجرّ سمیلن منعقد ہوا ۔ اس میں مہمان خصوصی ونوبا جی و راجہ بجرنگ بہادر تھے اور ہماچل پردیش کے لفٹیننٹ گورنر نے جلسہ کی صدارت کی ۔ شری جے پرکاش نرائن بھی موجود تھے ۔

اس موقعہ پر سینکڑوں گجرّ موجود تھے ۔ ان مختلف مسائل کا ، جن سے اس خانہ بدوش قوم کو روزانہ کی زندگی میں دوچار ہونا پڑتا ہے ، حل دریافت کرنے کے لیے ہم یہاں ونوبا جی کی تقریر کا آزاد ترجمہ تحریر کرتے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا :۔

"پیارے گجرّ بھائیوں !

.جب میں آپ کے لفٹیننٹ گورنر صاحب کی تقریر سن رہا تھا تو مجھے آپ لوگوں کے بارے میں کچھ نئی باتیں معلوم ہوئیں ۔ چونکہ آپ لوگوں کے رہنے کے لیے مکان نہیں ہیں اس لیے فی الحال آپ کے بچے معقول طور پر تعلیم نہیں پا سکتے ۔"

"میری رائے میں سارے گجروں کو کسی مخصوص مقام پر آباد نہ ہونا چاہیئے کیونکہ

اقتصادی نقطۂ نظر سے یہ ممکن العمل نہ ہوگا۔ کچھ خاندان تو چنبا، پٹھان کوٹ اور نور پور میں سکونت پذیر ہو جائیں تاکہ انہیں اپنا دودھ، گھی فروخت کرنے میں آسانی ہو۔ میں آپ کو یہ مشورہ دوں گا کہ گھی کو تو آپ فروخت کر دیا کریں لیکن دہی کو نہیں؛ گھر کے لوگ اُسے خود کھائیں۔ اگر آپ دودھ بیچنا چاہیں تو اُس کا تھوڑا سا حصہ اپنے لڑکوں کے لیے بھی رکھ لیں۔"

"اب وقت آگیا ہے کہ گجر یا دیگر قبائل اپنی مخصوص جماعتوں کے اندر ہی محدود نہ رہیں بلکہ اور لوگوں سے بھی میل جول بڑھائیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنے ہی قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ اقامت گزینی کی قدیم روایت میں تبدیلی پیدا کریں۔ میں ان سے یہ بھی کہوں گا کہ جو لوگ کسی چھوٹے یا بڑے شہر کے قرب وجوار میں سکونت کر سکیں وہ ایسا کریں، بقیہ دوسرے لوگ گاؤں میں رہ سکتے ہیں۔"

"میں تفرقہ پسندی یا علاحدگی کے رُجحانات کو پسند نہیں کرتا۔"

قراردادیں :-

قبائلیوں کی کانفرنس کے موقعہ پر مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

1۔ خانہ بدوشی کی زندگی کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ انہیں اپنی پسند و سہولت کے مطابق جہاں تہاں مستقل طور پر آباد ہو جانا چاہیئے۔

2۔ محصول راہداری بند ہونا چاہیئے۔ انہیں صرف اتنی ہی مویشیوں کے لیے اجازت نامے (PERMITS) دیے جائیں جتنے ان کے ساتھ ہوں۔

3۔ دھاروں (DHARS) پر نصب کیے ہوئے ان کے خیموں کو ان سے لے نہ لیا جائے۔

4۔ انہیں اپنے خیموں کے آس پاس پودے اگانے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

۵۔ سبھی ہمسایہ ریاستوں سے انہیں آباد ہونے میں مدد دینے کے لئے استدعا کرنی چاہیئے۔

۶۔ گایوں کو محصولات سے بری کر دینا چاہیئے۔

۷۔ جو لوگ پنجاب میں آباد ہو گئے ہیں انہیں وہی سہولتیں دی جانی چاہئیں جو دوسرے جائداروں کو ملتی ہیں۔

۸۔ محکمۂ جنگلات کی طرف سے پُلوں کی مرمت ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنی گایوں بھینسوں کو بلا رکاوٹ ان کے اوپر سے لے جاسکیں۔

۹۔ بھیڑیں پالنے کے پیشہ کی ہمت افزائی کی جانی چاہیئے۔

خانہ بدوش قبیلوں کے دن اور کانفرنس کے موقعہ پر جس کی صدارت شہری یو۔این۔ دھیبر نے کی، ۲۵ ، فروری کو مندرجہ ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

قرارداد ۱

خانہ بدوش قبیلوں کی یہ کانفرنس حکومت ہند سے اس کی پُرزور سفارش کرتی ہے کہ وہ خانہ بدوش طبقہ کے لوگوں کو بحال کرنے کے لیے معقول رقم کا انتظام کرے تاکہ وہ ایک مقام پر مستقلاً ٹھہر کر اپنے مکانات بنالیں اور معاشرے کے اچھے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ اس طرزِ زندگی کی بدولت ان کے تغیر پذیر طریقۂ بودوباش کی وجہ سے اگر ان میں جرائم کے رجحانات پیدا ہو گئے ہوں تو وہ بھی دُور ہو جائیں گے۔ اس میں ان کے لیے کافی تعداد میں ابتدائی و مختلف پیشوں سے متعلق اسکول کھولنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ تاکہ ایماندارانہ حصول معاش کی ترغیبات ان کی آوارہ گرد زندگی کی ہوس کو روک سکیں۔

قرارداد ۲

خانہ بدوش قبیلوں کی کانفرنس حکومت ہند سے اس بات کے لئے پرزور سفارش کرتی ہے کہ وہ ایسے باضابطہ قاعدے بنائے جن کے تحت ان اقوام کے افراد کو اپنے پیشے کے کاموں اور ہنرمندی کو ترقی دینے کے لیے انہیں عطیات و قرضہ جات کی صورت میں مالی امداد مل سکے۔ ان سے وابستہ فلاح و بہبود کے ادارے اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ ان میں آہنگری و نجاری اور بعض دیگر پیشوں کے بہت اچھے کاری گر ملتے ہیں۔ اور بعضوں میں مداری کا کھیل دکھانے، جانور پالنے اور جادوگر بننے کی صلاحیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر ان قاعدوں میں اس طرح کی سہولتیں دے دی جائیں تو ان کے معاشی حالات میں بہت ترقی ہو جائے گی اور مستقل زندگی بسر کرنے کے لیے ان کی ہمت افزائی ہوگی۔

قرارداد ۳

خانہ بدوش قبیلوں کی کانفرنس حکومت ہند سے اس بات کی پرزور سفارش کرتی ہے کہ سنہ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری میں خانہ بدوش اور (DENOTIFIED) قبیلوں کو ضرور شامل کر لیا جائے تاکہ ان کی یعنی خانہ بدوش اور (DENOTI - FIED) قبائل کی ریاست وار اور یونین ٹریٹوری (TERRITORY) میں آباد لوگوں کی ایک جامع فہرست تیار کی جا سکے۔

قرارداد ۴

خانہ بدوش قبیلوں کی کانفرنس حکومت ہند سے اس بات کی پرزور سفارش

کرتی ہے کہ وہ خانہ بدوش کی معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے علٰحدہ طور پر سرمایہ متعین کردے۔ فی الحال اس باب میں ان کی طرف بہت بے دلی کے ساتھ توجہ کی جارہی ہے؛ ان کی فلاح و بہبود کے لیے متعین خفیف سرمایہ محض ان رقومات پر مشتمل ہے جو دیگر پسماندہ جماعتوں کی پس خوردہ و بچی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ کانفرنس سنجیدگی کے ساتھ محسوس کرتی ہے کہ پنج سالہ منصوبوں میں ان جماعتوں کے لیے کافی سرمایہ کا علٰحدہ اہتمام کردیا جائے۔

قرارداد ۵

خانہ بدوش قبائل کی کانفرنس حکومت ہند سے دستور میں اس طرح ترمیم کی پرزور سفارش کرتی ہے کہ خانہ بدوش اور (DENOTIFIED) قبائل بھی ان پسماندہ جماعتوں کی فہرست میں شامل کرلیے جائیں جن کے معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے دستور میں اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کانفرنس نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض ریاستوں میں یہ جماعتیں شڈول ٹرائبس میں شامل کرلی گئی ہیں لیکن اس دستور میں بحیثیت مجموعی انھیں یکساں و باقاعدہ طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

شڈول کاسٹ، شڈول ٹرائب اور پسماندہ اقوام کے سابق کمشنر یاں رقم طراز ہیں: لوکر کمیٹی (LAKUR COMMITEE) نے شڈول کاسٹ و شڈول ٹرائب کی نسبت جو کچھ کہا ہے میں یہاں پر اس کا اقتباس پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتا کیونکہ مجھ کو ان کی رائے سے جس کو انھوں نے بڑے وثوق کے ساتھ اپنی رپورٹ میں ظاہر کیا ہے، پورا اتفاق ہے۔

رپورٹ مذکور یوں ہے:

ہم یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ڈی نوٹیفائڈ اور نومیڈک ٹرائب کی موجودہ غیر طبعی

وبے قاعدہ حیثیت کی، جنہیں ٹرائب نہیں بلکہ کمیونٹی سمجھنا بہتر ہوگا تفصیل تحقیقات کے بعد جلد از جلد ممکنہ تصحیح کر دینا زیادہ مناسب ہوگا۔

کمشنر صاحب موصوف مزید فرماتے ہیں :-

جب سے میں نے ۱۹۵۰ء میں شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب کے کمشنر کا عہدہ سنبھالا، اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے انتہائی کوشش کر رہا ہوں کہ دستور ہند کے دفعہ ۳۳۸ کے حسب منشاء لفظ ٹرائب کی کیا تعریف ہونی چاہیئے۔ بعد ازاں دفعات ۳۴۱، ۳۴۲ کے تحت شڈول کاسٹ اور شڈول ٹرائب کی فہرست پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ ملا تو اس وقت سے یہ مشتہر کرتا آرہا ہوں کہ سرکار مندرجہ ذیل تجویز کو منظور و قبول کرے۔

یہ کہ ان فہرستوں کو نظر ثانی معقول و اصول سائنس کے مطابق کرنے کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن بٹھایا جائے جس میں دیگر اشخاص کے ساتھ ساتھ یہ لوگ بھی شامل ہوں۔

ء۱ فاضل انسانیات (ہندوستان کے انسانیاتی سروے کا نمائندہ)

ء۲ ماہر عمرانیات (کسی یونیورسٹی کا)

ء۳ سوشل ویلفیر محکمہ کا کوئی افسر (وزارت قانون وغیرہ سے)

ء۴ ایک جج (جس کا میلان طبع خدمت معاشرہ کی طرف ہو)

ء۵ پارلیامنٹ کے دو ممبران، ایک راجیہ سبھا (شیڈول ٹرائب) کے اور ایک لوک سبھا (شیڈول کاسٹ) کے۔

ء۶ سماجی کام کرنے والا، ایک ٹرائب ویلفیر کے حلقہ عمل سے اور دوسرا شیڈول کاسٹ ویلفیر کے حلقۂ عمل سے۔

ء۷ دفتر مردم شماری کے ڈائرکٹر جنرل۔

۸۔ وہ ممبر جو سکریٹری ہو۔

فہرست مذکور کو مکمل کرنے کے وقت مندرجہ ذیل باتوں کو برابر مدنظر رکھنا چاہیئے :۔

(۱) قومی یکجہتی۔

(۲) پستی و تنزلی کا میلان مستقل و دوامی بن جانے کی طرف ہوتا ہے۔

(بحیثیت کمشنر شیڈول کاسٹ و شیڈول ٹرائب میری سالانہ رپورٹ بابت ۵۷-۱۹۵۶ء سے اقتباس) :۔

قبائلیوں کی ترقی اور انہیں زمانۂ حال کے مطابق بنانے میں ہماری قومی سرکار نے انہیں بالکل الگ تھلگ رکھنے اور شکست جرگہ کر دینے کے درمیان کا رویہ (پالیسی) اختیار کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب موجودہ زمانہ میں بالکل علحدگی و تنہائی کی زندگی ممکن نہیں اور شکست جرگہ یا قبیلہ کی انتہا پسندانہ پالیسی ہماری قومی سرکار کو منظور نہیں ہے۔ ڈاکٹر ویریر ایلون (DR. VERRIER ELWIN) کا خیال ہے کہ حکومت ہند نے مستقل طور پر طے کر لیا ہے کہ قبائلی اقوام کو ان کی ذہانت اور فطری افتاد طبع کے مطابق ترقی پذیر ہونے میں مدد دی جائے اور ان کے منشا کے خلاف ان کی روایات پر کوئی چیز لادی نہ جائے۔

شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب کے کمشنر نے اپنی ۶۳-۱۹۶۲ء کی رپورٹ میں جو بتاریخ ۲۸ر اگست ۱۹۶۴ء پارلیامنٹ میں پیش کی گئی تھی، بیان کیا ہے کہ قبائلی لوگوں کے اپنے مخصوص مسائل ہوتے ہیں۔ جن جگہوں میں وہ رہتے ہیں ان کے گرد و پیش کے مخصوص طور سے امتیازی و مثالی حالات، ان کی روایتی معاشرت جغرافیائی فاصلوں اور ان کی اپنی روایتی طرز زندگی نے انہیں قومی زندگی و سرگرمی کے اصل دھارے سے الگ کر رکھا ہے۔ سیدھے سادھے بھولے بھالے

قبائلی پرانے زمانہ میں بلا کسی بیرونی مداخلت کے نسبتاً زیادہ پُرامن خوشگوار زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن ان جنگلوں میں بودوباش کرنے والے انسانوں کی زندگی پر پوری توجہ دیے بغیر قانون جنگلات کو نافذ کردینے، زمینوں پر پابندی لگادینے اور انہیں منتقل کردینے، قبائلی علاقوں میں صنعتی کاروبار کے خاکے تیار کرنے والوں کا ان فرقوں کے بشری مسائل کی طرف اظہار بے دلی، ان کا سود خواروں، زمینداروں اور شراب کے ٹھیکے داروں جیسے دیگر بے ایمان و بے باک منفعت اندوز عناصر کا دست نگر ہونا، سب نے مل جل کر ان کی زندگی میں بہت خلل ڈال دیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ آزادی کے بعد سے ان کے اقتصادی و معاشرتی حالات کو سدھارنے کے لیے سعی و کوشش کی گئی اور متعلقہ ریاستی سرکاروں نے ان کی ترقی ونشوونما کے لیے قدم اٹھائے ہیں۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ دستور اساسی میں ان کی محافظت و ترقی کے لیے مخصوص طور پر اہتمام کردیے جانے کے باوجود اکثر و بیشتر قبائلی بے توجہی و بے التفاتی اور استحصال کے شکار ہیں۔ ان کے معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی معیار کو بلند کرنے کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے اپنے علاقوں میں دستیاب قدرتی وسائل کو مدنظر رکھ کر ایسے مخصوص قسم کے پروگرام اور اسکیم بنائی جائیں جو ان کے حسب حال ہوں۔

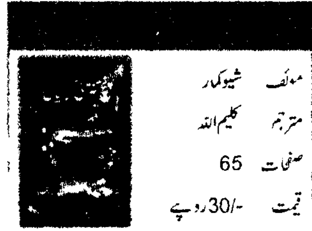
پانچویں پنج سالہ منصوبہ میں شیڈول ٹرائب کی ترقی کے لیے منصوبہ ساز کمیشن نے ایک نئی حکمت عملی اختیار کی اور راہ نکالی ہے۔ بہرکیف ان اسکیموں کو کامیاب کرنے کے لیے سائنسی طریقہ سے باقاعدہ منصوبے بنانے کے علاوہ نہایت ضروری یہ ہے کہ جن انتظامی کل پرزوں (اہلکاروں) پر ان پروگراموں کو تعمیل کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ پہلے ان کا معیار بلند کردیا جائے۔ یہ بھی اچھا ہوگا کہ دور دراز قبائلی علاقوں میں کام کرنے والے حکام کو مناسب تحریک

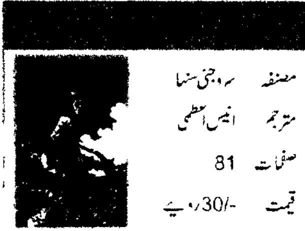
دی جائے۔ دراصل شیڈول ٹرائب سے متعلق اسکیموں پر اس وقت زیادہ کامیابی کے ساتھ عمل درآمد ہو سکتا ہے جب ان رضاکار ایجنسیوں کا تعاون حاصل کیا جائے جنہوں نے اپنے کو اس کام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ایسی رضاکار ایجنسیوں اور اداروں کی، جو پہلے سے دل جمعی و تندی کے ساتھ اس میدان میں سرگرم عمل ہیں یا جو اس کام کے لیے قدم بڑھائیں، سرکار کی طرف سے ہمت افزائی تہہ دل سے ہونی چاہیے اور انہیں مالی یا اور طرح کی امداد ملنی چاہیے۔

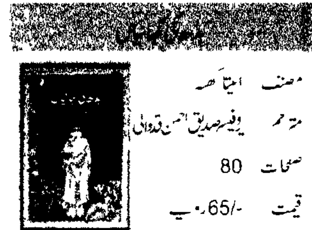


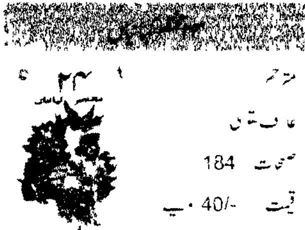
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

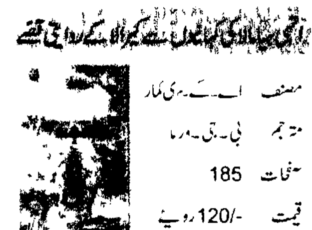
نوٹ طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجران کتب کو حسب ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

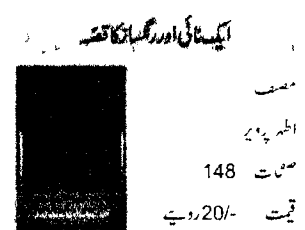












ISBN: 81-7587-172-5

कौमी काउन्सिल बराए फरोग-ए-उर्दू ज़बान



قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

National Council for Promotion of Urdu Language
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110066